آتشِ بجاں گزرتی شب
مصنفہ
نگہت سیما

''نایا پلیز' رکو تو' میری بات تو سنو۔''

میں ٹی۔وی اسٹیشن سے باہر نکلی تو جازم علوی میرے پیچھے ہی چلا آیا۔حالانکہ میں اسی سے تو بچ کر باہر آئی تھی۔ مجھے اس کی آنکھوں سے اوران میں موجزن جذبوں سے خوف آتا تھا۔اس کی آنکھیں محبتیں لٹاتی تھیں۔

اوراس کا چہرہ مجھے دیکھتے ہی روشن روشن سا ہو جاتا۔اور میں۔میری زندگی میں ان جذبوں کی قطعئی کوئی گنجائش نہیں تھی۔میرے سامنے وسیع مقاصد تھے۔

اماں کا علاج۔

ذیشان کی تعلیم۔

اور دعا کا فیوچر۔

دعا اپنا بی۔اے مکمل کر چکی تھی اوراب میرے اصرار کے باوجود اس نے یونیورسٹی

میں ایڈمیشن نہیں لیا تھا۔

''مجھے شوق نہیں ہے ندا۔''

''لیکن دعا! گھر بیٹھ کر بھی کیا کرو گی۔''

''جو اور بہت ساری لڑکیاں کرتی ہیں۔گھر کا کام اور اماں کی دیکھ بھال۔تمہیں معلوم ہے ناں' اماں کا اکیلا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔معلوم نہیں' کب اچانک طبیعت خراب ہو جائے اور تم۔تمہیں تو جاب پر جانا ہوتا ہے۔پھر وہاں سے آ کر گھر کا کام بھی کرنا۔یہ سب تمہیں تھکا نہیں دیتا کیا؟ اب کم از کم میرے گھر ہونے سے تمہیں یہ سہولت بھی حاصل ہو جائے گی کہ گھر آ کر کام نہیں کرنا پڑے گا۔''

''نہیں میری جان!'' میں نے اسے پیار سے کہا۔''میں بالکل بھی نہیں تھکتی ہوں ۔تم آرام سے ایڈمیشن لے لو۔''

''آپ کو لکھنا بھی تو ہوتا ہے نا!'' وہ کسی بھی طرح تیار نہ ہوئی تھی مزید پڑھنے کے لیے۔

میں نے کچھ عرصہ سے ایک اخبار میں ٹی۔وی نامہ کے عنوان سے ایک ہفتہ وار کالم لکھنا شروع کیا تھا۔اس کے علاوہ ایک مقامی اخبار میں بھی ایک کالم لکھتی تھی۔ڈیلی' جس سے مجھے کافی اضافی آمدنی ہو جاتی تھی اور یہ مشورہ مجھے جازم نے ہی دیا تھا کہ مجھے لکھنا چاہیے۔ایک دو بار ٹی۔وی کے پروگراموں پر میرا تبصرہ سن کر۔

اور میں اس کے لیے اس کی بہت ممنون تھی کیونکہ اس طرح لکھنے سے مجھے مالی طور پر بہت فائدہ ہوا تھا۔مقامی اخبار میں میرا مزاحیہ کالم ہفتے میں تین بار چھپتا تھا۔

دعا کے گھر پر رہنے سے میں بہت پرسکون ہو گئی تھی لیکن پھر بھی میری خواہش تھی کہ وہ اپنے پسندیدہ مضمون میں ماسٹرز کر لے۔شروع سے ہی اس کی خواہش تھی کہ وہ

نرسز میں ایم۔ایس۔سی کرے گی اور مس ربانی کی طرح لیکچرار بنے گی۔مس ربانی اس کی پسندیدہ شخصیت تھیں......لیکن......اور میں حیران تھی کہ اس بے حد لاڈلی دعا میں یہ اتنا قربانی کا جذبہ کہاں سے آ گیا ہے۔

دعا جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر از حد ڈیپریس ہو جاتی تھی۔اب اتنی صابر' اتنی قناعت پسند کیسے ہو گئی ہے۔

''سنو۔سنو' نایاتم! مجھ سے اتنا بھاگتی کیوں ہو؟''

وہ تیز تیز چلتا ہوا میرے قریب آ گیا اور میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔

''نہیں تو' میں بھلا کیوں بھاگوں گی۔''

''نہیں۔تم بھاگتی ہو مجھ سے۔ڈرتی ہو۔'' اس نے بڑے یقین سے کہا۔''لیکن کب تک بھاگو گی۔بالآخر تمہیں یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ......''

''کیا؟''

میں نے چلتے چلتے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

''یہی کہ......'' اس نے کان کھجایا۔

''یار! کیا تم خود نہیں سمجھ سکتیں۔اتنے سال ہو گئے ہیں تمہیں مجھ سے ملتے۔تقریباً تین سال؟''

''ہاں تقریباً تین سال۔وقت گزرتے کب پتا چلتا ہے؟''

میں نے اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے سوچا۔

''ایسا لگتا ہے جیسے ابھی کل کی ہی بات ہو جب نانا ابا اچانک ساتھ چھوڑ گئے تھے۔کتنے سارے دن تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔جیسے ہم نے سوچ رکھا تھا کہ نانا ابا ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں گے لیکن وہ چلے گئے تھے اور ممانی کا رویہ جو

پہلے ہی اچھا نہ تھا اور بھی خراب ہو گیا تھا۔ آخر ایک دن انہوں نے کہہ ہی دیا۔

"شہر بانو! آخر تم کب تک یہاں پڑی رہو گی۔ ابا جان تو رہے نہیں جن کی وجہ سے تم یہاں تھیں۔ اب اپنے گھر جاؤ۔ میری بچیاں یوں بھیڑ بکریوں کی طرح ایک ہی کمرے میں رہنے کی عادی نہیں ہیں۔ وہاں سب کے الگ الگ بیڈ روم تھے۔ اور اب۔"

اماں کا رنگ تو بالکل سفید پڑ گیا تھا اور ہاتھ ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ میں نے فوراً ہی ان کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا تھا۔

"ٹھیک ہے آنٹی! ہم لوگ چلے جائیں گے۔ آپ فکر نہیں کریں۔"

اور وہ بڑی شان سے سر اٹھائے کمرے سے باہر نکل گئی تھیں۔ اماں کی آنکھوں میں بے بسی تھی او. چہرے پر کرب تھا۔

"مگر میں ...... میں وہاں نہیں جاؤں گی ندا!" ان کی آواز مضبوط تھی لیکن اس میں انا ٹوٹ جانے کی لرزش تھی خوف تھا۔

"تم لوگ......تم تینوں بہن بھائی چلے جاؤ اپنے ابا کے پاس۔ اب کے ان کا فون آئے کہہ دینا ان سے کہ تم واپس آنا چاہتے ہو۔ وہ پاکستان آنے میں ایک دن بھی دیر نہیں لگائیں گے۔" اماں کی آواز میں وہ یقین تھا کہ جو انہیں ہمیشہ ابا پر رہا تھا" اور میں یہاں رحمت بی بی کے کوارٹر میں رہ لوں گی۔" ان کی آواز بھیگ گئی۔

"تم میری فکر نہ کرنا لیکن۔ میں کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"اماں!" مین نے ایک دم ان کے گرد اپنے بازو حمائل کر دیے۔ "اماں! آپ کو چھوڑ کر ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہی گے۔"

"لیکن......"

"اماں! آپ بالکل فکر نہ کریں۔ آپ کی انا سلامت رہے گی اور آپ کے پندار پر چوٹ نہیں آئے گی۔ خراش تک نہیں۔"

اماں حیرانی سے مجھے دیکھنے لگی تھی لیکن میں نے دل میں عہد کر لیا تھا کہ میں اپنی اماں کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گی۔ ان کا زعم نہیں ٹوٹنے دوں گی۔

اور اس وقت میں نے سوچا تھا کہ ابا نے مجھے اماں کے ساتھ بھیج کر صحیح فیصلہ کیا تھا۔ مجھے ابا پر بے حد پیار آیا۔ اس وقت اماں دعا' ذیشان سب کو میری کتنی ضرورت تھی۔ اگر میں ابا کے پاس رہ جاتی تو آج اماں کتنی اکیلی ہوتیں۔

اور دل ہی دل میں ایک فیصلہ کر کے میں انصاری صاحب کے پاس چلی آئی۔ میں نے جرنلزم میں ماسٹرز کیا تھا۔ اور نانا ابا کی وفات سے چندہ ماہ پہلے ہی میرا رزلٹ آیا تھا اور میں کسی اخبار کو جوائن کرنے کا سوچ رہی تھی اور اس مسئلے پر روز ہی نانا ابا سے بحث ہوتی تھی۔ ان کا موقف تھا کہ مجھے کسی اخبار کو جوائین کیے بغیر فری لانسر کے طور پر کام کرنا چاہیے جبکہ میں کسی اخبار میں کام کرنا چاہتی تھی اور نانا ابا اس کی اجازت نہیں دے رہے تھے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ نہ جانے کیوں انہیں پسند نہیں تھا' میں اخبار میں کام کروں۔ دراصل وہ مقامی اخباروں کے معیار سے مطمئن نہیں تھے۔ اس روز اماں کو حیران چھوڑ کر میں انصاری صاحب سے ملنے چل دی۔

انصاری صاحب نانا ابا کے دوست تھے اور جب کبھی بھی میں نانا ابا کے ساتھ۔ ٹی۔ وی اسٹیشن جاتی۔ وہ مجھ سے بڑی شفقت اور محبت سے ملتے تھے اور کئی بار انہوں نے مجھے پیشکش کی تھی کہ اگر میں ٹی۔ وی سے متعلق کسی بھی شعبے سے کوئی انٹرسٹ رکھتی ہوں تو میرے لیے جگہ بنائی جا سکتی ہے۔

انصاری صاحب بہت محبت سے ملے۔ بڑے دیر تک نانا ابا کی باتیں کرتے رہے

اور حال احوال پوچھتے رہے۔ آخر ہمت کر کے میں نے بغیر کسی لاگ لپٹ کے ممانی جان کے روپے اور اپنی خواہش کے متعلق انہیں بتا دیا۔

وہ بہت دھیان سے میری بات سنتے رہے۔

''میری سب سے پہلی ضرورت ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ جو کرائے پر مل سکے اور دوسری ضرورت ایک جاب۔ ایسی جس سے گھر کا خرچ وغیرہ چلایا جا سکے۔''

ابا اگرچہ ہمارے اخراجات کے لیے کافی رقم بھیج دیتے تھے۔ جو اماں جوں کا توں مجھے دے دیتی تھیں۔ گھر کا سارا خرچ تو نانا ابا ہی برداشت کر رہے تھے۔ میں نے ابا کی بھیجی ہوئی رقم ایک بار انہیں دینا چاہی تھی تو وہ سخت کبیدہ خاطر ہوئے تھے اور کئی روز تک مجھ سے بات نہیں کی تھی۔

''نانا ابا! سوری نا۔'' بالآخر میں نے ہاتھ جوڑ کر انہیں منا لیا۔ ''آپ صلح کر لیجئے نا۔''

''ایک شرط پر' آئندہ ایسی فضول باتیں نہیں کرو گی۔ کانوں کو ہاتھ لگاؤ۔''

''جی بالکل نہیں کروں گی۔'' میں نے فوراً ہی کان پکڑ لیے تھے۔

''اولاد ماں باپ پر کبھی بوجھ نہیں ہوتی۔ اور تم لوگوں کے آنے سے تو گھر میں بہار آ گئی ہے۔ تمہاری وجہ سے ہی تو میں نے جاب چھوڑی ہے ورنہ ایکسٹینشن کروا لیتا۔ یہ الگ بات ہے کہ بیٹیاں اپنے ہی گھروں میں بستی اچھی لگتی ہیں۔ ہر لمحہ دعا کرتا ہوں کہ خدا شہر بانو کے دل کو نرمی عطا کرے۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔''

اور اس روز مجھے عباس ماموں پر بہت غصہ آیا تھا۔ نانا ابا کتنے اکیلے اور تنہا ہیں۔ یہ تو اتفاق تھا کہ ہم آ گئے تھے ورنہ نانا ابا تو تنہا ہی زندگی گزار رہے تھے۔ اور میں بہت دیر تک عباس ماموں کے خلاف بولتی رہی تھی۔ اور نانا ابا مسکراتے رہے تھے۔

اور نانا کے بعد میں نے ساری رقم اماں کے حوالے کر دی تھی اور اماں نے اسے خاموشی سے لے کر رکھ لیا تھا۔ اگرچہ ابا ہر ماہ جو رقم بھیجتے تھے وہ کافی ہوتی تھی۔ پھر بھی ہر ماہ کوئی نہ کوئی اضافی خرچ نکل ہی آتا تھا۔ اماں بہت احتیاط سے اور سنبھال کر پیسہ خرچ کر رہی تھیں۔ آگے ذیشان کی تعلیم کا مسئلہ بھی تھا۔ اسے میڈیکل کالج میں جانا تھا اگرچہ مجھے یقین تھا کہ ابا ہمیں کبھی تنہا نہیں چھوڑیں گے۔ پھر بھی میں چاہتی تھی کہ میرے پاس جاب ہو۔ آنے والے لمحوں کے متعلق کیا پتا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔

اتنے اچھے محبت کرنے والے عباس ماموں جن پر نانا جان دیتے تھے اور عباس ماموں بھی نانا پر جان فدا کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اماں کہتی تھیں۔

''دونوں باپ بیٹا ایک دوسرے کے عاشق ہیں۔''

''اور مجھ سے تو آپ نے اتنی محبت کبھی نہیں کی جتنی عباس سے کرتے ہیں۔''

کبھی جب ہم چھٹیوں میں آتے اور نانا ابا کو عباس ماموں کے لیے پریشان ہوتے دیکھ کر وہ گلہ کرتیں تو نانا ابا انہیں گلے سے لگا لیتے۔

''پگلی! تم مجھے کتنی پیاری ہو۔ تمہیں اس کا اندازہ ہی نہیں' لیکن ماں نہیں ہے نا عباس کی تو وہ لاپروا ہے۔ بہت بیمار پڑ جاتا ہے۔ سو میں اس کے کھانے پینے کا خیال نہ کروں تو کون کرے گا اور تمہاری امی کتنا خیال کرتی تھیں تمہارا۔ تمہیں یاد نہیں۔''

اور وہ عباس ماموں بدل گئے تھے تو ابا کا کیا بھروسا تھا۔ وہ بھی تو بدل سکتے تھے۔ فلک ناز جیسی حسین وخوبصورت اور جوان لڑکی ان کی بیوی تھی۔

''مکان کا تو کوئی مسئلہ نہیں بیٹا! ہمارا اوپر والا پورشن ایک ماہ قبل خالی ہوا ہے تم لوگ ادھر اٹھ آؤ مگر انکل!'' میں جھجک گئی۔

''ہمارے لیے تو کوئی چھوٹا سا مکان ہو' شاید ہم اس کا کرایہ افورڈ نہ کر سکیں۔''

میں نے دل ہی دل میں حساب لگایا۔

''تو بھئی' کوئی چھوٹا مکان بھی دیکھ لیں گے۔ فی الحال تو تم لوگ ادھر اٹھ آؤ۔ آج ہی۔ اور تم چھوٹے مکان جتنا کرایہ ہی دے دینا۔ اور جب تمہیں چھوٹا مکان اور ہمیں زیادہ کرایہ دینے والے کرایہ دار مل جائیں گے تو تبادلہ کر لیں گے۔''

انہوں نے قہقہہ لگایا۔

''رہی جاب تو اس کا بندوبست بھی ہو جائے گا۔ ہماری بیٹی اتنی ٹیلنڈ ہے ماشاء اللہ۔''

اور میں انصاری صاحب کے خلوص سے بے حد متاثر ہوئی تھی اور یوں نانا ابا کے اس خوبصورت سے پھولوں سے بھرے ہوئے گھر سے رخصت ہو کر ہم انصاری صاحب کے اس گھر میں منتقل ہو گئے تھے۔

انصاری صاحب کی طرح ان کی بیوی بھی بہت محبت کرنے والی شفیق خاتون تھیں۔ بے اولاد تھے' سو جلدی ہی دعا اور ذیشان کو اس طرح چاہنے لگے جیسے اپنی اولاد ہو اور مجھ پر تو وہ ہمیشہ سے ہی مہربان تھے۔

''ایک سیٹ ڈیزائنر کی جگہ خالی ہے۔ دراصل ابھی چند دن پہلے ہی اس نے جاب چھوڑی ہے اور اپنے شوہر کے ساتھ امریکہ چلی گئی ہے۔ مریم ایوب بہت عرصہ سے کام کر رہی تھیں۔'' ایک روز انصاری صاحب نے مجھے بتایا۔

اگرچہ میری ڈگری کا اس شعبے سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن پھر بھی میں نے اس جاب کو آزمائشی طور پر کر لیا کہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے اور وقت نے ثابت کر دیا کہ کچھ ٹیلنٹ خداداد ہوتے ہیں اور ان کے لیے کسی ڈگری وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بہت جلد میں نے سب کچھ سیکھ لیا تھا اور اب تین سال سے یہاں کام کر رہی تھی اور ان تین

سالوں میں انصاری صاحب کو نہ تو زیادہ کرایہ دینے والے کرایہ دار ملے تھے اور نہ ہی کسی چھوٹے مکان کا بندوبست ہو سکا تھا۔ میں ان کے اس خلوص پر دل ہی دل میں ان کی شکر گزار ہوتی رہتی تھی۔ اس دوران جو نقصان ہمیں ہوا تھا' وہ ابا کا رابطہ ہم سے ٹوٹ جانے کا تھا۔

نانا ابا کے گھر سے آتے ہوئے میں نے ممانی کو تاکید کی تھی کہ اگر ابا کا فون آئے تو وہ انہیں انکل انصاری کا نمبر دے دیں۔ مگر ممانی نے خدا جانے انہیں کیا کہا ہو گا۔ میں نے جب بھی ممانی کو فون کیا اور ابا کے متعلق پوچھا کہ ان کا فون آیا تھا یا نہیں تو انہوں نے انکار کر دیا۔ ابا ہر ماہ باقاعدگی سے پیسے بھجواتے تھے۔ وہ ہمارا حق تھا۔ ممانی نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

''اگر آتے تو میرے کس کام کے تھے۔''

ایک دوبارٹی۔ وی اسٹیشن سے واپسی پر میں خود گئی۔ عباس ماموں گھر پر نہ تھے۔ اور ممانی کا رویہ ویسا ہی تھا۔

''اے ندا! تمہیں کیوں یقین نہیں آتا کہ تمہارے ابا نے کوئی چیک وغیرہ نہیں بھیجا اور نہ ہی کوئی فون کیا ہے۔ مرد کو بھولتے دیر ہی کتنی لگتی ہے بھول گئے ہوں گے نئی بیوی کے چاؤ چونچلوں میں' ارے ایسا ہی تمہارا خیال ہوتا انہیں تو کبھی بھی دوسری شادی نہ کرتے۔''

لیکن مجھے ابا پر یقین تھا کہ ابا ہمیں کبھی نہیں بھول سکتے۔ لیکن نہ تو ہمارے پاس ابا کا ایڈریس تھا اور نہ فون۔ ابا خود ہی فون کیا کرتے تھے اور خود پیسے بھجواتے تھے۔ انہوں نے کوئٹہ میں اپنا اکاؤنٹ کھلوالیا تھا اور زیادہ تر اس اکاؤنٹ کا چیک ہوتا تھا جو ذیشان کیش کروالاتا تھا۔

ممانی کے کرخت رویے کے باوجود میں کبھی کبھار فون کر کے ضرور چیک اور فون
کے متعلق پوچھتی تھی۔ اب تو ممانی میری آواز سنتے ہی فون رکھ دیا کرتی تھیں۔ یوں ابا
سے ہمارا رابطہ ٹوٹ گیا تھا۔

''اور ابا چاہتے تو کیا ہمیں تلاش نہ کر لیتے لیکن کبھی کبھی تلاش بسیار کے باوجود بھی
ملنے والے نہیں ملتے۔''

ایک بار نہیں کئی بار سوچتی تھی۔ اور اب تو تین سال ہو گئے تھے اور ان تین سالوں
میں کئی بار میں نے اپنے لاہور والے گھر میں بھی فون کیا تھا کہ شاید ابا واپس آ گئے ہوں
دو سال کے لیے ہی تو گئے تھے وہ۔ لیکن ادھر بیل ہوتی رہتی اور کوئی ریسیور نہ کرتا تھا۔

''کیا پتا چل گیا؟''

جازم نے بالکل میرے کان کے قریب منہ کر کے کہا تو میں چونک پڑی۔

''کیا؟''

''یہی کہ میں... جازم فاروقی ولد ناظم علی فاروقی گوڈے گوڈے تمہاری محبت میں
ڈوب چکا ہوں۔''

''فضول نہ بولا کرو جازم!''

میں جھینپ گئی اور میرے رخسار تپ اٹھے۔

''فضول نہیں ہے محترمہ! یہ زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے لیکن آپ جانے
کب اور کیسے سمجھیں گی۔''

اور میں سمجھتی تھی سب لیکن میرے پاس گنجائش کہاں تھی کہ میں اس کے جذبوں کی
پذیرائی کرتی۔ جب سے مجھے احساس ہوا تھا کہ جازم فاروقی اب اپنے جذبوں کا اظہار
چاہتا ہے تو تب سے میں بھاگ رہی تھی۔ جب بھی وہ کچھ کہنے کی کوشش کرتا۔ میں ادھر

ادھر ہو جاتی اور آج یہ اتنی رومینٹک سی بات بالآخر اس نے چلتے چلتے بالکل سرسری
انداز میں کہہ دی تھی اور اب وہ میرے چہرے پر اس کے تاثرات دیکھنے کی کوشش کر رہا
تھا۔

شاید میری پلکوں کے ایک دم گر جانے اور رخساروں کی رنگت نے اس سے کچھ کہہ
دیا تھا کہ اس نے شکوہ سا کیا۔

''اور ندا! یہ ضروری نہیں تھا کہ میں تم سے کہتا اپنی زبان سے کہ میں تم سے محبت کرتا
ہوں اور کیا اس کی ضرورت تھی۔''

وہ چلتے چلتے رک گیا۔ اسٹاپ آ گیا تھا۔ عام طور پر تو ٹی۔ وی کی گاڑی ہی مجھے
پک اور ڈراپ کر دیتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی یوں ہوتا کہ میں بے وقت نکل آتی تھی۔ آج
بھی میں بے وقت ہی نکل آئی تھی ایک تو اماں کو ڈاکٹر کی طرف لے کر جانا تھا۔ رات
سے ان کی طبیعت خراب تھی۔ اگرچہ وہ ظاہر نہیں کر رہی تھیں۔ لیکن رات وہ جتنی بے
چین تھیں، اس سے مجھے اندازہ ہو چکا تھا۔ دوسرے مجھے شان کی طرف ڈرافٹ بنوا کر
بھیجنا تھا۔ مجھے بہت فکر ہوتی تھی کہ کہیں اسے پریشانی نہ ہو کسی قسم کی۔ وہ ڈاؤ میڈیکل
کالج میں پڑھ رہا تھا اور پھر جازم کافی دیر پہلے میرے کمرے میں آ کر کہہ گیا تھا کہ لنچ
میں اس کے ساتھ کروں اسے مجھ سے ایک ضروری بات کرنا ہے۔ اور میں جانتی تھی کہ
وہ ضروری بات کیا ہے۔ سو میں لنچ سے پہلے ہی اٹھ آئی تھی جازم نے مجھے آتے ہی دیکھ
لیا تھا۔ جازم سے میری ملاقات یہاں ہی ہوئی تھی ٹی۔ وی اسٹیشن پر انصاری صاحب
کے کمرے میں۔

''یہ جازم فاروقی ہیں۔ یہاں انجینئر۔۔ ہیں اور یہ ندا، ہماری بیٹی۔''

میں نے نے ذرا کی ذرا نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ بے تحاشا چمکتی آنکھوں اور

درازقد والا جازم فاروقی پہلی نظر میں مجھے کچھ جانا پہچانا سا لگا۔ جیسے میں نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔

"آپ سے ملنا اچھا لگا مس ندا مستجاب۔"

اس کے چہرے پر بڑی روشن سی مسکراہٹ تھی۔

اور پھر کچھ دیر وہ انصاری صاحب سے کسی مسئلے پر ڈسکس کرتا رہا لیکن گاہے گاہے وہ نظر اٹھا کر مجھے بھی دیکھ لیتا تھا اور اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ بکھر کر معدوم ہو جاتی۔ دوسری بار بھی وہ مجھے انصاری صاحب کے کمرے میں ہی ملا تھا۔ گھر سے دعا کا فون آیا تھا کہ اماں کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی۔۔ وہ از حد پریشان ہو رہی تھی اور رونے کو تھی۔ اماں تو کبھی بیمار نہیں ہوئی تھیں۔ یہ اچانک کیا ہوگیا تھا۔ دعا خود بھی نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ اماں کو کیا ہوا ہے۔

"پلیز ندا! جلدی آؤ۔"

"او کے دعا! تم گھبراؤ نہیں میں آ رہی ہوں۔ تم آنٹی کو بلا لو نا۔"

"آنٹی مارکیٹ گئی ہوئی ہیں اور اماں تو بات ہی نہیں کر رہی ہیں۔ اٹھی تھیں پھر گر گئیں۔"

دعا اتنی گھبرائی ہوئی تھی کہ صحیح طرح سے کچھ بتا ہی نہیں پا رہی تھی۔

میں دعا کو تسلی دے کر انکل انصاری کے کمرے میں آئی' وہاں جازم تھا' ٹیبل کے پیچھے بیٹھا کسی فائل کی ورق گردانی کرتا ہوا۔ مجھے دیکھ کر کھڑا ہوگیا۔

"آئیے مس ندا!"

"وہ......وہ انکل کہاں ہیں۔ میرا مطلب ہے انکل انصاری۔"

"وہ تو شاید کہیں باہر گئے ہیں۔ میرا خیال ہے' منیر صاحب کی عیادت کے لیے

ہاسپٹل گئے ہیں۔" منیر صاحب سنیئر پروڈیوسر تھے اور کل رات اچانک ہی انہیں دل کا دورہ پڑا تھا۔

"کہیں۔۔کہیں اماں کو بھی۔"

ایک دم جیسے میرا دل ڈوبنے لگا اور میں کرسی پر بیٹھ گئی۔

"کیا بات ہے' خیرت تو ہے نا؟"

اس نے شاید چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگالیا تھا۔

"وہ......میری اماں کی طبیعت خراب ہوگئی ہے اچانک۔ گھر سے فون آیا ہے۔"

آنسو میرے روکنے کے باوجود میرے رخساروں پر ڈھلک آئے تھے۔

"ارے ارے آپ گھبرائیں نہیں۔" وہ ایک دم ٹیبل کے پیچھے سے باہر نکل آیا۔ "انشاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

لیکن آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔

"وہ دراصل گھر میں کوئی نہیں ہے۔ صرف دعا ہے۔ اور اماں کو ہاسپٹل لے کر بھی جانا ہوگا۔ میں انکل کی طرف آئی تھی کہ" میں ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ انکل انصاری نہیں تھے اور میں۔ مجھے جلدی پہنچنا تھا۔ خدا جانے اماں کی طبیعت کیسی تھی۔ وہ میرا مسئلہ سمجھ گیا تھا۔

"ٹھہریے مس! میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔" وہ میرے پیچھے ہی باہر نکل آیا تھا۔ "میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔" پھر وہ سامنے سے آتے گلزار صاحب سے کچھ کہتا ہوا میرے ساتھ ہی باہر آ گیا۔ میں نے اسے آنے سے منع نہیں کیا تھا۔ پتا نہیں باہر کنوینس ملنے میں کتنی دیر ہو جاتی اور اماں کا خدا جانے کیا حال تھا۔

"آئیے پلیز!" اس نے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا۔

اوراس کے برابر بیٹھتے ہوئے آنسو اور بھی روانی سے بہنے لگے۔

''مس ندا!'' اس نے مجھے تنبیہہ کی۔ ''یہ کیا ہے۔ پلیز حوصلہ کریں۔''

''ہاں یہ کیا حماقت ہے یہ ایک اجنبی کیا سوچے گا کہ میں کتنی کمزور ہوں۔''

میں نے فوراً ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھ ڈالے۔

''گڈ اور اب بتائیے۔ کس طرف جانا ہے؟

''وہ انکل انصاری کے گھر۔ ہم وہاں ہی رہتے ہیں اوپر پورشن میں آپ کو معلوم ہے راستہ؟''

''ہوں!'' اس نے سر ہلا دیا۔ ''کبھی کبھار جانا ہوتا ہے وہاں۔ میرے پاپا اور ان کے درمیان وجہ دوستی شطرنج ہے۔ دونوں ماہر کھلاڑی ہیں اور ہفتے میں تقریباً دو بار ان کے درمیان کھیل ہوتا ہے اور کبھی کبھی تو پاپا نہ ہوں تو وہ مجھے ہی گھسیٹ کر لے جاتے ہیں۔ پہلے تو مجھے وقت کا ضیاع لگتا تھا لیکن اب کافی دلچسپی ہوگئی ہے مجھے لیکن آج تک میں پاپا یا انصاری صاحب کو شکست نہیں دے سکا ہوں۔''

وہ ہولے ہولے بولتا ہوا میرا دھیان بٹانے کی کوشش کرتا رہا۔ اور میرا دھیان واقعی تھوڑا سا بٹ گیا۔

وہ تمام راستہ یوں گفتگو کرتا رہا جیسے برسوں سے مجھے جانتا ہو اور یہ ہماری محض دوسری ملاقات نہ ہو۔

''ہمارے گھر میں میرے پاپا اور میں اکیلے رہتے ہیں۔ انصاری صاحب کے گھر سے قریب ہی ہمارا گھر ہے۔ پاپا کے اور میرے درمیان بہت دوستی ہے۔ میرے پاپا کو میرے علاوہ پھولوں سے عشق ہے۔ آپ آئیں نا کسی دن ہمارے گھر۔ ہمارا گھر پھولوں سے بھرا ہے۔ قسم قسم کے پھول ہیں ہمارے گھر میں۔ پاپا جانے کہاں کہاں سے

نایاب پودے منگواتے ہیں۔''

''میرے نانا ابا کو بھی پھولوں سے بہت محبت تھی اور ان کے گھر پہ بھی بہت نایاب پودے ہیں اور وہ پھولوں کی اس طرح حفاظت کرتے تھے جیسے کوئی ماں اپنے بچوں کی کرتی ہے۔ وہ کہتے تھے' پھول ان سے باتیں کرتے ہیں۔''

''ارے بالکل میرے پاپا بھی یہی کہتے ہیں۔ پھر تو ان کی دوستی میرے پاپا سے ضرور ہونا چاہیے۔ کیا وہ یہاں رہتے ہیں کوئٹہ میں۔''

''وہ'' میری پلکیں پھر بھیگ گئیں۔ ''ان کی ڈیتھ ہوگئی ہے۔ پچھلے سال۔ شاید آپ انہیں جانتے ہوں۔ وہ ادھر انکل نصاری کے ساتھ ہی ٹی۔ وی اسٹیشن پر ہوتے تھے اور اس سے پہلے ریڈیو پر تھے۔ مزمل عابدی۔''

''ارے مزمل عابدی آپ کے نانا تھے۔'' اس نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔ ''کمال ہے' میں نے کبھی آپ کو اس سے پہلے نہیں دیکھا۔ حالانکہ میں چند بار پاپا کے ساتھ ان کی طرف گیا ہوں۔ پاپا کی کافی گپ شپ تھی ان سے۔ انصاری صاحب کے ہاں ہی تعارف ہوا تھا ان سے پھر پاپا اور ان کا مشترکہ شوق۔ اور پھر انہیں کون نہیں جانتا کوئٹہ ٹی۔ وی کے لیے ان کی خدمات فراموش نہیں کی جاسکتیں۔ یوں بھی وہ بہت بڑے انسان تھے۔ میری تو یہاں ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی۔ ٹی۔ وی اسٹیشن پر چائے لانے والے لڑکے سے لے کر جی۔ ایم صاحب تک سب ان کا احترام کرتے تھے۔ مجھے ان کی موت کا از حد دکھ ہوا تھا۔ اس وقت یہاں نہیں تھا میں۔ ٹریننگ کے سلسلے میں جرمنی گیا ہوا تھا۔ پاپا نے مجھے فون پر بتایا تھا تو اس روز میں بہت افسردہ رہا تھا اور آپ...... کیا آپ شروع سے ہی یہاں رہتی ہیں کوئٹہ میں؟''

[illegible] پہلے لاہور میں تھے۔''

''اچھا تب ہی پہلے آپ کو کبھی نہیں دیکھا' نہ انصاری صاحب کی طرف نہ مزمل صاحب کے ہاں۔''

وہ مسلسل بول رہا تھا لیکن میرا دھیان بار بار اماں کی طرف چلا جاتا تھا اور میں دل ہی دل میں بے آواز دعا کر رہی تھی۔ اماں کا ہونا کتنا ضروری تھا اور خدا جانتا تھا۔

آنٹی انصاری ہمیں پورچ میں ہی مل گئیں۔

''شکر ہے۔ تم آ گئی ہو۔'' گاڑی سے اترتے ہی انہوں نے مجھے اماں کی کیفیت بتانا شروع کر دی۔ ''میں نے ایمبولینس کے لیے بھی فون کر دیا۔ اوہ تھینک گاڈ جازم بھی ہے۔''

اور میں تو جازم کا شکریہ ادا کیے بغیر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ اماں بے ہوش تھیں اور دعا ان کا ہاتھ تھامے زار و قطار رو رہی تھی۔

''کہاں جانا ہے تمہیں؟ آؤ میں ڈراپ کر دیتا ہوں اور یہ تم اس طرح جلدی کیوں اٹھ آئی ہو۔ خیریت تو ہے نا سب۔ آنٹی تو ٹھیک ہیں نا۔'' میں نے تشکر نظروں سے اسے دیکھا۔

''تم۔'' اور کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔

واقعی اسے کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ ان دو سالوں میں کہاں کہاں اور کس کس موقع پر اس نے میرا ساتھ نہ دیا تھا۔ بغیر کچھ کہے بغیر احسان جتائے وہ خود بخود ہی جیسے میرا محافظ بن گیا تھا۔ کوئی بھی مسئلہ ہوتا تو میں اسی سے شیئر کرتی تھی۔ شان کے میڈیکل کالج میں داخلے سے لے کر گھر کے بل جمع کروانے کی ذمہ داری اس نے آپوں آپ ہی لے لی تھی اس روز بھی وہ اماں کو فوراً ہی ہاسپٹل لے گیا تھا۔

اماں کا بلڈ پریشر اچانک ہی بہت زیادہ بڑھ گیا تھا اور ہلکا سا انجائنا اٹیک ہو گیا تھا

انہیں۔ اور پھر اماں جتنے دن ہاسپٹل رہیں وہ باقاعدگی سے ہاسپٹل آتا رہا۔ اماں کی دوائیاں لانا۔ ڈاکٹر سے مشورہ کرنا۔ بغیر کہے ہی اس نے یہ سارے کام خود سنبھال لیے تھے۔ اور ان ہی دنوں ہمارے درمیان خود بخود ایک دوستی کا رشتہ بن گیا تھا۔ نہ میں نے اس سے کچھ کہا تھا نہ اس نے مجھ سے لیکن اک تعلق بن گیا تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ مضبوط ہوتا جا رہا تھا۔ اماں کو بھی وہ بہت عزیز ہو گیا تھا۔

''میں نے ماں کی محبت کا ذائقہ نہیں چکھا۔ بہت چھوٹا تھا میں جب اس محبت سے محروم ہو گیا تھا۔ اب آپ کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں' ماں ایسی ہی ہوتی ہوگی۔ آپ کے پاس سے مجھے ماں کی خوشبو آتی ہے۔''

ایک روز ہاسپٹل میں اس نے اماں سے کہا تھا۔ تب اماں بہت بہتر تھیں اور ڈاکٹر نے انہیں گھر لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

''مجھے بھی اپنی ماں ہی سمجھ لو بیٹا۔'' اور وہ بے اندازہ خوش ہو گیا تھا۔ ''مجھے اجازت دیجیے کبھی کبھی آپ کے پاس حاضر ہوتا رہوں۔''

ڈاکٹر نے سختی سے اماں سے کہا تھا کہ وہ سوچا نہ کریں اور ذہن کو پرسکون رکھیں۔

لیکن یہ بھلا اماں کے اختیار میں کب تھا۔ جانے اماں ہر وقت گم صم کیا سوچتی رہتی تھیں۔

''اور ندا! مجھے تم سے بہت گلہ ہے۔ یکایک تمہیں کیا ہو جاتا ہے تم ایک دم غیریت برتنے لگتی ہو۔''

اس کا اشارہ میرا یوں اسٹاپ پر کھڑے ہو کر وین کا انتظار کرنے کی طرف تھا۔ اب میں اسے کیا بتاتی کہ میں اسے نظر انداز کیوں کر رہی ہوں۔ مجھے اس کی جذبے لٹاتی آنکھوں سے خوف آتا تھا اور خود اپنے آپ سے بھی ڈر لگنے لگا تھا۔ جوان جذبے لٹاتی

آنکھوں کے سامنے پانی پانی ہونے لگتی تھی۔ جب [illegible] میں آتا تو مجھے لگتا' جیسے میرے اپنے دل کی ایک بیٹ مس ہونے لگی ہے۔ میں اپنے حسن میں چھپے ان جذبوں سے خوفزدہ ہو گئی تھی۔سو۔

''دراصل مجھے اماں کو ہاسپٹل لے کر جانا تھا۔رات وہ کچھ بے چین سی تھیں۔ انہوں نے کچھ کہا تو نہیں لیکن میرا خیال ہے کہیں ان کا بی۔ پی زیادہ نہ ہو گیا ہو۔''

''کیا تم یہ مجھ سے نہیں کہہ سکتی تھیں۔''

اس کی خفگی میں گلہ تھا اور وہ انتہائی شاکی نظروں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔''اور کیا میں اماں کو نہیں لے جا سکتا تھا۔''

اس کی بے حد روشن اور خوبصورت آنکھوں میں شکوے بھرے تھے۔

''نایا! تم کیوں کر رہی ہو ایسا۔میرے ساتھ۔مت کرو ایسا۔آؤ ادھر۔''

اس نے اپنے پیچھے آنے کا اشارا کیا۔ میں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہوئی اس کی گاڑی تک آئی۔وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولے ناراض ناراض روٹھا روٹھا سا کھڑا تھا۔

''اور تم!''ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے اس نے میری طرف دیکھا۔

''تم چاہے کتنی بھی کوشش کرو' فطرت سے نہیں لڑ سکتیں ندا استجاب! پھر کیوں تنگ کر رہی ہو مجھے؟''

اس نے بہت گہری نظروں سے مجھے دیکھا۔''مجھ پر اعتبار کرو نایا! کیا میں تمہارے مسائل سے ناآشنا ہوں۔ کیا میں نہیں جانتا کہ تم کیا سوچتی ہو اور تمہارے کیا پلان ہیں۔ میں ہر قدم تمہارے ساتھ ہوں۔بس ایک بار مجھے اعتبار دے دو کہ اس سفر میں تنہا نہیں ہوں تم بھی ہو میرے ساتھ میرے جذبوں میں شریک۔ مجھے تم سے یہ سب کہنے کی

ضرورت نہیں تھی۔ کچھ باتوں کا ادراک خود بخود ہو جاتا ہے دل کو' روح کو لیکن یہ جو تم یکا یک گریز کرنے لگی ہو' مجھ سے بھاگنے لگی ہو۔اس سے میں اپ سیٹ ہو جاتا ہوں۔ میرا ذہن الجھ جاتا ہے کہ کیوں؟ مت کرو ایسا نایا۔''

ایسے جذبوں کے آگے بند نہیں باندھے جا سکتے۔ یہ فطری جذبے ہیں اور خود بخود دلوں سے پھوٹتے ہیں۔ پہاڑی چشموں کی طرح۔ میں نے اپنی آدھی سے زیادہ عمر یورپ میں گزاری ہے۔وہاں حسن وافر تھا۔ پھر بھی کہیں کسی مقام پر رکا نہیں ٹھہرا نہیں۔

کسی چہرے نے اٹریکٹ نہیں کیا۔

کوئی اور اسیر نہ کر سکی۔

پاپا نے بہت دفعہ کہا۔ یار! کسی کو پسند کر لو کہ گھر میں کوئی چوڑیوں کی کھنک ہو۔

کوئی زندگی کا احساس ہو۔

لیکن پتا نہیں کیوں کوئی دل میں نہ اتر سکا۔ جانے تم میں کیا بات تھی نایا! کہ میں تمہارے پاس ٹھہر گیا ہوں تو اب مجھے خود سے دور نہ کرو۔ پلیز۔ میں جانتا ہوں کہ تم بھی۔لیکن پتا نہیں کیوں تم مجھ سے بھاگ رہی ہو۔ میں تمہارا ہر مسئلہ شیئر کرنا چاہتا ہوں' میں زندگی کے آخری لمحے تک تمہارے ساتھ ہوں' تم ایک بار مجھے یہ اعتبار دے دو پلیز۔''

میری نگاہیں جھک گئی تھیں اور غیر ارادی طور پر اس کے اسٹیئرنگ پر رکھے ہوئے ہاتھوں پر میں نے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

''تھینک یو نایا! تھینک یو۔''اس کی آواز بھاری ہو گئی۔

''نایا!'' یہ نام مجھے اسی نے دیا تھا۔ ندا۔ بھئی اس نام کو بلانے میں بڑی طاقت صرف ہوتی ہے۔'' ایک روز انکل انصاری کے کمرے میں کھڑے کھڑے اس نے کہا

تھا۔ "کیوں انکل ہے نا۔ مس ندا مستجاب۔"

"آپ صرف ندا کہہ لیا کریں' اتنا چھوٹا سا تو مختصر سا نام ہے۔"

وہ مسکرا دیا تھا۔ لیکن بعد میں دوسرے دن میرے کمرے میں جھانکتے ہوئے اس نے کہا تھا۔

"سنو میں تمہیں نایا۔ کہہ لیا کروں۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ہے نا۔"

"نہیں۔"

مجھے اس کے منہ سے "نایا" کہنا اچھا لگا۔ منفرد اور انوکھا سا۔ کوئی ایک تو ایسا فرد ہو جو بالکل مختلف نام سے پکارے جس سے کسی اور نے کبھی نہ بلایا ہو۔

"نایا! میں آج بہت خوش ہوں بے حد۔ میرا جی چاہ رہا ہے' ہاتھ پھیلا کر ساری دنیا کی خوشیوں کو اپنی مٹھیوں میں لے لوں۔"

ڈرائیو کرتے ہوئے وہ ہولے ہولے گنگناتا اور گاہے گاہے شریر نظروں سے مجھے دیکھتا رہا اور وقفے وقفے سے کوئی نہ کوئی بات کہتا رہا۔

"سنو نایا! مجھے یہ اطمینان ہو گیا ہے نا کہ میرے جذبے رائیگاں نہیں ہیں اور میری مسافتیں لاحاصل نہیں ہیں۔ اب مجھے کوئی غم نہیں۔ تم بے فکر ہو کر وہ سب کچھ کرو جو تم کرنا چاہتی ہو۔ میں اس وقت تک تم سے تمہاری رفاقتیں طلب

تک تم نے خود نہ چاہا لیکن تم اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا۔ میں ہر قدم' ہر لمحہ تمہارے ساتھ ہوں اور میرے جذبوں کی حفاظت کرنا۔ یہ بہت سچے کھرے اور کومل جذبے ہیں اور جو پہلی بار کسی کے لیے اس دل میں بیدار ہوئے ہیں۔"

انصاری ہاؤس کے سامنے گاڑی روکتے ہوئے اس نے کہا۔ میں نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

"صرف سر ہلانے سے کام نہیں چلے گا جانم۔ یہ جو کچھ راستہ بھر میں کہتا رہا ہوں۔ اس اتنے بڑے سر میں بھر لو اور دل پر نقش کر لو۔ اب تمہاری کوئی فضول حرکت برداشت نہیں کی جائے گی۔ ایک ماہ سے برداشت کر رہا ہوں' ادھر میں نے انٹری دی۔ ادھر محترمہ غائب۔ بیوقوف لڑکی! کیا مجھے بتا نہیں سکتی تھیں کہ تم فی الحال صرف ہمارے دل میں ہی ٹھکانا رکھنا چاہتی ہو۔ گھر میں ٹھکانا بنانے کو ابھی کچھ وقت درکار ہے۔ ارے ہم تو تاعمر تمہارا انتظار کر سکتے ہیں۔ قیامت تک۔"

میں بے ترتیب ہوتی دھڑکنوں کو سنبھالتی اسے گاڑی میں ہی بیٹھنے کا کہہ کر اوپر گئی۔ اماں تھکی تھکی سی لیٹی تھیں۔

"میں ٹھیک تو ہوں بالکل ندا! تم خوامخواہ۔"

"خوامخواہ نہیں اماں! آپ چلیں اور پلیز اماں! زیادہ مت سوچا کریں۔ آپ جانتی ہیں نا کہ ٹینشن سے آپ کا بی۔ پی زیادہ ہو جاتا ہے اور یہ صحیح نہیں ہے۔"

میں نے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا۔ اور دعا کو جو کچن میں تھی۔ بتایا کہ "میں اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔ جازم کے ساتھ آئی ہوں۔ کچھ منگوانا ہو تو بتا دو۔"

"کچھ نہیں ندا!" دعا جھاڑن سے ہاتھ پونچھتی ہوئی باہر نکل آئی۔

"بس اماں کی دوائیں ختم ہو گئی تھیں۔ بی۔ پی نارمل رکھنے والی اور وہ دوسری ٹیبلٹس وغیرہ بھی۔"

اماں کا بی پی کافی زیادہ تھا اور ہارٹ بیٹ بھی نارمل نہ تھی۔

"مسز مستجاب! آپ نے میری ہدایت پر عمل نہیں کیا۔" ڈاکٹر نے سرزنش کی۔

اماں خاموش ہی رہیں۔

"سوچنا اپنے اختیار میں ہی کب ہوتا ہے۔"

چیک اپ کروا کے میں ڈاکٹر صاحب سے اجازت لے کر اماں کے ساتھ باہر آ گئی جازم میڈیسن وغیرہ لینے کے لیے رک گیا اور میں اماں کو لے کر گاڑی میں آ بیٹھی۔

''اماں! آپ جانتی ہیں' ہمیں آپ کی کتنی ضرورت ہے۔ آپ کو کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے اور دعا کا پتا ہے نا آپ کو۔ آپ کے بغیر جی سکے گی؟ پلیز اماں! کچھ مت سوچا کریں۔ یہی مقدر میں لکھا تھا جو ہوا۔''

''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم دونوں کو ساتھ لے کر اپنے ابا کے پاس چلی جانا۔''

''اماں۔'' میرا دل چیخ چیخ کر رونے کو چاہا'' ابا۔ کہاں ہیں ابا۔ تین سالوں سے انہوں نے ہماری خبر نہ لی۔ مانا ممانی نے انہیں کچھ نہیں بتایا لیکن کیا وہ کوئٹہ نہیں آ سکتے تھے۔ ہمیں ڈھونڈ نہیں سکتے تھے۔''

''وہ ضرور آئیں ہوں گے۔ تم سب سے انہیں بہت محبت تھی۔ ندا! اپنے ابا سے بدگمان مت ہو۔''

اماں کا لہجہ دھیما لیکن پر یقین تھا اور اس قدر یقین کے باوجود اماں نے ابا کو چھوڑ دیا تھا اور اس بات نے مجھے ہمیشہ حیران کیے رکھا۔

میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''بہر حال جو بھی ہو۔ ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ کبھی بھی نہیں۔ اس لیے آپ کو رہنا ہے ہمیشہ ہمارے ساتھ اور اپنے ہاتھوں سے شانی کی شادی کرنا ہے' اس کے بچوں کو کھلانا ہے۔''

''ہمیشہ کب کوئی کسی کے پاس رہا ہے پاگل۔''

ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

''لیکن اماں! آپ کو ہمارے ساتھ رہنا ہے ہمیشہ جب تک ہم ہیں اور اس کے

لیے آپ کو اپنی صحت بہتر بنانی ہے اور میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ خدانخواستہ اگر آپ کو کچھ ہو گیا نا تو تب بھی ہم کہیں نہیں جائیں گے۔ اکیلے رہیں گے۔ چاہے دنیا ہمیں کھا جائے اور چاہے ہمیں خودکشی کرنا پڑے۔''

''ندا......! بیٹا! تم تو اتنی ضدی نہیں تھیں۔''

اماں نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

''تم تو بالکل اپنے ابا پر گئی ہو۔ نرم خو' ہمدرد اور۔''

''لیکن اماں!'' میں نے ان کی بات کاٹ دی صرف ابا کا لہو ہی نہیں آپ کا خون بھی تو میری رگوں میں دوڑ رہا ہے نا۔''

اور اماں بے اختیار مسکرا دیں اور مدتوں بعد میں نے اماں کے رخسار پر جھک کر بوسہ دیا۔

''سویٹ اماں! اب آپ کو بیمار نہیں ہونا۔ پتا ہے' آپ کو شان جب آتا ہے یہاں اور آپ کو بیمار اور مضمحل دیکھتا ہے تو کس قدر پریشان ہو جاتا ہے اور اس کو اپنی پڑھائی کے لیے کتنی یکسوئی کی ضرورت ہے۔''

''ہوں!'' اماں نے سر ہلا دیا۔

تب ہی جازم دوائیں لے کر آ گیا اور ناراضی سے اماں کی طرف دیکھا۔

''آنٹی! آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں خود پر۔ مت سوچا کریں اتنا زیادہ۔ سوچنے اور ٹینشن ہونے سے آپ کا بی پی شوٹ کر جاتا ہے۔''

''بیٹا بعض باتوں میں آدمی بے اختیار ہوتا ہے۔ بہر حال کوشش کروں گی۔''

''ہاں یہ ہوئی ناں بات خوش رہا کریں۔ میں ہوں نا آپ کا بیٹا۔ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔'' اماں نے ایک نظر اسے اور پھر مجھے دیکھا۔

''بیٹے ہی ہو تم میرے۔ کیا بیٹے اس سے زیادہ خیال کرتے ہیں جتنا تم کر رہے ہو۔''

''تھینک یو اماں......! میں آپ کو اماں کہہ سکتا ہوں نا۔'' اور اماں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اماں کو گھر چھوڑ کر اور شان کے لیے ڈرافٹ بنوا کر فارغ ہوئے تو دو بج رہے تھے۔

''چلو نا یا! کہیں چل کر لنچ کرتے ہیں۔ آج میں اس خوشی کو تمہارے ساتھ سیلبریٹ کرنا چاہتا ہوں۔ جو تم نے دی ہے۔ میں تمہارا بہت ممنون ہوں کہ تم نے میری محبتوں کو قبول کیا۔''

اور ''عثمانیہ'' میں بیٹھ کر لنچ کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''پتا ہے نایا! ڈاکٹر پوچھ رہا تھا اماں اتنی ٹینس کیوں رہتی ہیں۔ میں نے تم سے کبھی نہیں پوچھا کہ تم لوگوں کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔ تمہارے نانا کا گھر یہاں ہے لیکن تم انصاری صاحب کے ہاں کرائے پر رہتے ہو۔ تمہارے ابا کہاں ہیں؟ لیکن آج نایا اگر تم مناسب سمجھو تو اپنے ذاتی دکھوں میں شریک کر لو اور اگر نہ چاہو تو مجبور نہیں کروں گا اور میں ورق ورق زندگی کے صفحے پلٹنے لگی۔

''ابا نے شادی کر لی ہے۔''

''نہیں' بھلا یہ کیسے ممکن ہے؟''

میں نے از حد حیران ہو کر دعا کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پکڑی کتاب اوندھی کر کے تکیے کے پاس رکھ دی۔ اور پھر خود ہی اس خیال سے مسکرا دی کہ دعا کی تو عادت ہے جھوٹ موٹ کا سسپنس پیدا کر کے شرارت کرنے کی لیکن اس کی یہ شرارت مجھے پسند نہیں آئی تھی' اس لیے دعا کی طرف اٹھی میری نظروں میں تنبیہہ تھی۔

''ہاں۔ فلک ناز بیگم ہے۔''

وہ دھب سے میرے بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس کی موٹی موٹی آنکھوں سے آنسو روانی سے بہنے لگے۔ میں نے بوکھلا کر اسے چپ کرانے کی کوشش کی۔

''دعا کیا ہو گیا ہے تمہیں' پاگل مت بنو۔ کسی نے بیوقوف بنایا ہے تمہیں...... یقیناً یہ شانی کی شرارت ہو گی۔ ہزار دفعہ بیوقوف بنا چکا ہے وہ تمہیں' پھر بھی بیوقوف بن جاتی ہو

......چلو آنسو پونچھو۔"

"نہیں' شانی تو گھر پر ہی نہیں ہے......وہ ابا......"

وہ بدستور رو رہی تھی۔

"ابا کے ساتھ ہے وہ فلک ناز اور انہوں نے خود آ کر ماں کو بتایا ہے کہ انہوں نے فلک ناز سے شادی کر لی ہے اور وہ اب یہاں ہی رہیں گی۔"

"نہیں بھلا' یہ کیسے ممکن ہے۔ ابا ایسے تو نہیں ہیں۔ اور یہ فلک ناز۔ یہ ضرور ابا کے آفس میں کام کرتی ہوگی۔ اور ابا تو کبھی کبھی موڈ میں ہوں تو اماں سے چھیڑ چھاڑ کرتے رہتے ہیں......ضرور فلک ناز کو بھی انہوں نے اپنی شرارت میں شامل کر لیا ہوگا......ابا ایسا کر ہی نہیں سکتے۔ ابا تو لاکھوں میں ایک ہیں۔

اتنے محبت کرنے والے شفیق باپ

اور اتنے چاہنے والے خیال رکھنے والے شوہر۔ اور پھر اماں اور ابا میں کتنی انڈرسٹینڈنگ ہے۔ ابا کے دل میں کوئی بات ہوتی ہے تو اماں کو پتا چل جاتی ہے اور اماں کے موڈ کو ابا سمجھتے ہیں۔ بچپن سے میں نے تو یہی دیکھا ہے کہ اماں کو نہ جانے کیسے ابا کے دل کی خبر ہو جاتی تھی۔ ابا کا دل چائے پینے کو چاہا اور انہیں زبان سے کہنے کی ضرورت نہ پڑی۔ اماں چائے سمیت حاضر۔

کبھی کبھی ابا کو بڑی حیرت ہوتی۔

"تمہیں کیسے پتا چلا شہر بانو کہ مجھے اس وقت چائے کی طلب ہو رہی ہے۔"

اور اماں مسکرا دیتیں۔

"یہ باتیں بتانے والی نہیں ہوتیں مستجاب احمد صاحب یہ تو! بس محسوس کرنے والی ہوتی ہیں۔"

"بھئی ندا بیٹا! یہ تمہاری اماں کچھ کچھ افسانہ نگار نہیں ہیں۔" میں انہیں شرارت سے دیکھتی۔

"دن بھر آپ تو آفس میں ہوتے ہیں اور ان کے یہ افسانوی جملے ہم ہی سنتے ہیں۔"

"ظاہر ہے آخر اتنے زیادہ ڈائجسٹ پڑھنے کا کچھ تو اثر ہوگا نا۔ کبھی کہانیوں افسانوں سے فرصت ملے تو ہمیں بھی پڑھ لو شہر بانو۔"

ابا موڈ میں آ جاتے۔

"آپ کو تو حرف حرف پڑھ لیا ہے۔" اماں زیر لب کہتیں۔ "مقدس صحیفوں کی طرح دل میں اتار لیا ہے۔"

"کیا کہا بھئی شہر بانو ذرا اونچی آواز میں کہنا پھر۔ سنا نہیں۔"

ابا جان بوجھ کر انجان بنتے۔ انہیں اماں سے چھیڑ چھاڑ کرنے میں مزا آتا تھا۔

اماں ہماری موجودگی کی طرف ان کی توجہ مبذول کرتیں تو وہ سنی ان سنی کر دیتے۔ اور اپنا سوال دہرائے جاتے۔

اور اماں سے اتنا پیار کرنے والے ابا بھلا۔

"نہیں ناممکن امپاسبل۔" میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہمارا گھرانہ تو ایک مثالی گھرانہ تھا۔ میں نے اپنی اس پوری زندگی میں ایک بار بھی ابا کو اماں سے اونچی آواز میں بات کرتے یا ڈانٹتے نہیں سنا تھا اور نہ ہی اماں کو کبھی ان سے جھگڑتے یا زبان چلاتے دیکھا تھا۔ اماں' ابا ہم تینوں بہن بھائیوں سے محبت کرتے تھے۔ اور ہماری ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔

گھر میں خوشحالی اور سکون تھا۔

اور ابا ہمیشہ میرا آئیڈیل رہے تھے۔

اونچے لمبے خوبصورت سے گورے چٹے بڑی بڑی غلافی آنکھوں والے ابا۔ بے حد مہربان اور شفیق تھے۔ اور میں اماں کی نسبت ان سے زیادہ قریب تھی۔

دعا میرے بیڈ پر اوندھی لیٹی سسکیاں لے رہی تھی۔

''افوہ کیا حماقت ہے یہ دعا! ابا ایسا نہیں کر سکتے۔ ضرور انہوں نے اماں کے ساتھ مذاق کیا ہوگا۔ میں دیکھتی ہوں۔

میں نے مڑ کر ایک نظر اسے دیکھا اور باہر آ گئی۔ باہر برآمدے میں بچھے تخت پر اماں بیٹھی تھیں۔ دونوں گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے اور گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھے۔ بالکل ساکت یوں جیسے پتھر کی ہوں۔

''اماں!'' میں نے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ ''یہ دعا کیا کہہ رہی ہے۔''

انہوں نے ذرا کی ذرا نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔

ان کی نظریں! کیا تھا ان نظروں میں۔ نہ کوئی شکوہ نہ کوئی گلہ بس ساکت نظریں تھیں جیسے کہیں انہونی پر ساکت ہوگئی ہوں اور جیسے کوئی بے یقینی اندر آنکھوں میں ٹھہر گئی ہو۔

اماں کی آنکھوں نے مجھے دہلا دیا۔ میں نے غیر ارادی طور پر ان کے کندھوں سے اپنا ہاتھ ہٹا لیا اور کھڑی ہوگئی۔ سامنے ابا کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔

لیکن میں جو بڑے یقین کے ساتھ دعا کی بات کو جھٹلا کر باہر آئی تھی اب بے یقین سی کھڑی کبھی ابا کے کمرے کے کھلے دروازے کو دیکھتی اور کبھی اماں کے ساکت وجود کو۔

''اماں!'' میں نے پھر پکارا لیکن اب کے اماں نے نظریں بھی نہ اٹھائیں۔ تب

میں نے ابا کے کمرے کی طرف قدم بڑھائے لیکن میرے قدموں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ اور اپنے دل میں موجود ابا کی شخصیت کا بھاری بت مجھے ٹوٹتا ہوا سا محسوس ہوا۔ میں یقین و بے یقینی کے درمیان اپنے آپ سے الجھتی ہوئی ابا کے کمرے تک آ کر ٹھہر گئی۔ بالکل سامنے ابا صوفے پر بیٹھے تھے۔ ان کا ہمیشہ کھلا رہنے والا چہرہ مرجھایا مرجھایا لگ رہا تھا۔ اور پیشانی پر بے شمار لکیروں کا جال سا بنا تھا۔ اور وہ بے حد تھکے تھکے اور مضمحل لگ رہے تھے۔

''ندا!'' مجھے دیکھ کر انہوں نے سر اٹھایا۔ ''آ جاؤ بیٹا!''

ان کی آنکھوں میں لمحہ بھر کے لیے چمک سی پیدا ہوئی۔ وہی مخصوص چمک جو ان کی آنکھوں کا خاصا تھی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ چمک بجھ گئی۔ میری نظریں بیڈ پر بیٹھی لڑکی پر تھیں جو نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی اور جس کی پلکیں بھیگی ہوئی تھیں اور رخساروں پر آنسو اٹکے تھے۔

جھکی پلکیں بے حد گھنی اور لمبی تھیں۔

رنگت بے حد گلابی تھی۔

بے حد خوبصورت ناک میں چمکتی لونگ پورے چہرے کا حسن بڑھا رہی تھی۔ سیاہ بال یقیناً بے حد لمبے اور گھنے تھے۔

گھٹنے پر دھرے ہاتھ

لمبی مرمریں انگلیوں والے ہاتھ

جیسے کسی ماہر سنگ تراش نے تراشے ہوں۔

میں غیر ارادی طور پر اس کا اور اماں کا موازنہ کرنے لگی۔ بلاشبہ اماں بھی خوبصورت تھیں اور جب ابا کی زندگی میں شامل ہوئی ہوں گی تو تب قیامت ڈھاتی ہوں گی۔ لیکن

یہ لڑکی۔

''ندا! بیٹھ جاؤ بیٹا!'' ابا نے پھر کہا تو میں نے اس لڑکی سے نظریں ہٹا کر ابا کی طرف دیکھا۔

سوال کرتی نظریں۔

ابا نے ایک لمحہ کے لیے نگاہیں چرالیں۔ اور اس کی طرف اشارا کیا۔

''یہ فلک ناز ہیں۔''

اور جس کسی نے بھی اس کا نام رکھا تھا' یقیناً بہت سوچ کر رکھا تھا۔ بہت سوٹ کر رہا تھا یہ نام اس کی شخصیت پر۔ میرے ذہن میں خیال آیا۔

''اور یہ ندا ہے میری بیٹی۔ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کر رہی ہے۔''

ابا نے لہجے کو خوشگوار بنانے کی کوشش کی تھی تب ہی فلک ناز نے نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھا۔ اور ایک لمحہ کو مجھے یوں لگا جیسے میں ان آنکھوں کی دلفریبیوں میں ڈوب جاؤں گی۔ اس قدر سیاہ چمکتی آنکھیں تھیں جو اس وقت پانیوں سے بھری تھیں۔

اور اگر ابا ان آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گئے تھے تو شاید وہ اتنے قصوروار بھی نہ تھے۔ وہ آنکھیں تھیں ہی اتنی دلفریب اور جادو لٹاتی۔

ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے میں سوالیہ نظروں سے ابا کی طرف دیکھنے لگی تھی۔ ابھی تک دل کے کسی گوشے میں یہ یقین موجود تھا کہ شاید ابا ابھی کہہ دیں گے کہ۔ یہ فلک ناز میرے آفس کی کولیگ ہیں اور یہ کہ انہیں فلاں مسئلہ درپیش ہے۔ (چونکہ آنسو اس کی آنکھوں میں بھرے ہوئے تھے' اس لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ اسے یقیناً کوئی مسئلہ درپیش ہوگا) اور تمہاری اماں سے میں نے مذاق

کیا ہے اور وہ......لیکن ابا نے میرے یقین کو اسی لمحے یہ کہہ کر توڑ دیا۔

''میں نے ابھی کوئی دو گھنٹے پہلے فلک ناز سے نکاح کیا ہے۔'' ان کا لہجہ گمبھیر تھا۔ اور وہ بے حد سنجیدہ لگ رہے تھے۔

میرے اندر جیسے کچھ ٹوٹ کر کرچی کرچی ہو گیا۔

میں بے یقینی سے ابا کو دیکھتی رہی اور فلک ناز دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر شدت سے رونے لگی۔

''فلک ناز! آپ پلیز روئیں مت۔ رونا کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتا۔''

اس نے فوراً ہی اپنے چہرے سے ہاتھ ہٹا لیے لیکن آنسو اسی طرح بہہ رہے تھے۔

''اور یہ نکاح......ناگزیر تھا......ندا بیٹا! میں تمہاری ماں کو سمجھا نہیں سکا کہ میں...... میرا خیال تھا کہ اسے مجھے کچھ سمجھانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ وہ تو حرف حرف مجھے جانتی ہے لیکن۔'' ان کی آواز بھرا گئی۔

میں بدستور بے یقینی سے انہیں دیکھتی رہی۔ میں ابا سے بے حد قریب تھی۔ میری ان سے بہت دوستی تھی۔

''یہ سب ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا ندا! بیٹا اپنی اماں کو سمجھاؤ۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا کہ میں فلک ناز سے نکاح کر لوں۔ ورنہ وہ مہناز جس کے احسان سے میرا بند بند جکڑا ہوا ہے۔''

میں نے فلک ناز کے چہرے پر نظر ڈالی۔

یہ اتنا بے تحاشا حسن۔ بڑے بڑے زاہدوں کو لڑکھڑا دیتا ہوگا پھر ابا کیا چیز ہیں۔

میں ابا سے اور بھی بدگمان ہو گئی اور دنیا تو خوبصورت اور حسین لوگوں سے بھری ہوئی ہے تو کیا......

"ندا! آپ بھی.....آپ بھی بیٹا مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"ابا! میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔"

میں نے بے بسی سے انہیں دیکھا۔ اور میری آنکھیں پہلی بار آنسوؤں سے بھ گئیں..... میں جس بات پر یقین نہیں کرنا چاہتی تھی وہ بات سچ تھی اور ابا نے خود اس کی تصدیق کر دی تھی۔ میں واپسی کے لیے مڑی۔

"ندا۔!" ابا نے تڑپ کر مجھے پکارا۔ تمہاری اماں نے میری کوئی بات نہیں سنی..... مجھے صفائی میں کچھ بھی کہنے نہیں دیا۔ لیکن تم بیٹا! کیا تم بھی میری بات نہیں سنو گی۔؟"

"اور اب کہنے کے لیے رہ کیا گیا تھا۔"

میں نے مڑ کر ابا کی طرف نہیں دیکھا تو ابا اپنی جگہ سے اٹھے۔ اور میرے قریب آ کر مجھے کندھوں سے پکڑ کر اپنی طرف رخ کیا۔

"ابا!" میں بے اختیار ان سے لپٹ گئی۔ انہوں نے اپنے بازو میرے گرد حمائل کر دیے۔

"آپ نے کیوں کیا ایسا ابا۔ کیوں۔ کیا کمی تھی اماں میں۔ کیا کمی تھی آپ کو....."

میں روئے جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

"نہیں کوئی کمی نہ تھی نہ تیری اماں میں نہ مجھ کو کوئی کمی تھی۔"

وہ مجھے تھپکتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

میں بہت دیر تک روتی رہی اور انہوں نے مجھے رونے دیا۔ پھر اپنے ساتھ لیے ہوئے صوفے کی طرف آئے اور اپنے پاس بٹھا لیا۔

"دیکھو..... یہ..... اس کی طرف دیکھو۔ یہ جو فلک ناز ہے نا' یہ تمہاری ہم عمر ہے۔ تقریباً پچھلے سال اس نے بی۔ اے کیا تھا..... اور کیا میں....."

ان کی آواز لڑکھڑا گئی' شاید اپنی بات کہنے کے لیے انہیں لفظ نہیں مل رہے تھے یا مجھ سے کہتے ہوئے جھجک رہے تھے۔

"کیا تم اس بات کا یقین کرو گی کہ ابھی چند گھنٹے پہلے تک مجھے خود بھی نہیں پتا تھا کہ میری زندگی میں اتنا بڑا انقلاب آنے والا ہے..... لیکن میں مجبور ہو گیا۔ میرے پاس دوسرا کوئی متبادل راستہ ہی نہ تھا۔ مہناز نے مجھے مہلت ہی نہیں دی۔ اگر وہ تھوڑی سی مہلت مجھے دے دیتی تو شاید کوئی اور دوسرا بہتر حل مل جاتا لیکن اس نے تو فوری فیصلہ سنا دیا تھا..... اور وہ اسی وقت سو....."

اور میں ابا کے پاس بیٹھی ان کی ان ادھوری اور مبہم باتوں کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔

یہ مہناز کون تھی اور ابا اس کے سامنے کیوں مجبور ہوئے اور فلک ناز کا مہناز سے کیا تعلق ہے۔

ابا شاید میرے دماغ میں اٹھنے والے سوالات کو پڑھ رہے تھے۔

"مہناز میری کولیگ ہے..... بہت پہلے' آج سے اٹھارہ سال پہلے جب میں نے اس فرم کو جوائن کیا تھا تو مہناز نے بھی اسی زمانے میں اسے جوائن کیا تھا اور فلک ناز اس کی بیٹی ہے۔ اس وقت یہ دو سال کی بچی تھی۔"

ابا کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے جیسے وہ اپنی بات کہنے کے لیے لفظ تلاش کر رہے ہوں۔ میں نے نگاہ اٹھا کر فلک ناز کی طرف دیکھا۔ وہ اب بھی اسی انداز میں سر جھکائے بیٹھی تھی اور آنسو اس دوران اور آہستگی سے اس کے رخساروں پر بہہ رہے تھے۔

ایک لمحہ کے لیے میرے دل میں اس کے لیے ہمدردی کا جذبہ ابھرا لیکن دوسرے ہی لمحے اس جذبے پر غصہ غالب آ گیا۔ اگر وہ مظلوم بھی تھی اور ابا نے کسی ہمدردی کے تحت اس

سے نکاح کیا تھا۔ پھر بھی وہ غاصب تھی۔ اس نے اماں کے حق پر ڈاکہ ڈالا تھا۔ اور اس
وقت اماں' ابا کے مشترکہ کمرے میں اماں کے بیڈ پر بیٹھی وہ قطعی کسی ہمدردی کی مستحق نہ تھی
میں نے نظریں اس کے چہرے سے ہٹالیں۔ اور ابا کی طرف دیکھا جو شاید لفظوں کی
تلاش میں اپنے آپ سے الجھے بیٹھے تھے۔

''جی ابا!'' میں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کیا۔

''فرم کا ہر فرد مہناز کی عزت کرتا تھا۔ وہ بہت پختہ کردار کی بہت بااخلاق اور
ہمدرد لڑکی تھی۔''

ابا نے ہولے سے کھنکھار کر بات شروع کی۔

میرا جی چاہ رہا تھا کہ وہ مہناز کے متعلق بات کرنے کی بجائے فلک ناز کے متعلق
بتائیں کہ کب کیوں اور کیسے وہ اس سے نکاح کرنے پر مجبور ہوئے تھے مگر ابا دھیمے دھیمے'
ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں مہناز کے متعلق بتا رہے تھے۔

بہت جلد اس نے فرم میں اپنی جگہ بنالی تھی۔ اس کے کردار کی پختگی کی وجہ سے ہر
شخص اس کا احترام کرنے پر مجبور تھا۔ اس کے خاوند نے شادی کے دو سال بعد اسے چھوڑ
دیا تھا اور کسی دوسری عورت سے شادی کر لی تھی اور ایک سال کا بیٹا بھی چھین لیا تھا...... وہ
یہاں اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی اور شوہر سے علیحدگی کے سات ماہ بعد فلک ناز پیدا ہوئی
وہ بیٹی اور ماں کے ساتھ اپنا شہر چھوڑ کر یہاں آ بسی تھی۔

اس نے یہ سب باتیں چار ماہ قبل مجھے اس وقت بتائی تھیں۔ جب اس کی والدہ کی
وفات پر ہم کچھ کولیگ اس کے گھر تعزیت کے لیے گئے تھے...... میکے میں اس کا کوئی اور
نہیں تھا۔ والد وفات پا چکے تھے۔ بھائی' بہن کوئی تھا نہیں......اور......

ابا پھر خاموش ہو گئے۔ میں سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس ساری بات

یں فلک ناز سے ان کے نکاح کا تو کوئی ذکر نہ تھا۔

''یہ دو ماہ پہلے کی بات ہے جب مہناز نے مجھے بتایا کہ اسے بلڈ کینسر ہے۔ وہ تین
ان کی چھٹی کے بعد آفس آئی تھی اور صابر صاحب کے کمرے سے نکلتے ہوئے اچانک
ی میرا اس سے سامنا ہو گیا اور میں نے اخلاقاً اس کی طبیعت کا حال پوچھا تو اس کی
آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے نا۔''

اس کے آنسو دیکھ کر میں گھبرا گیا۔ وہ بہت حوصلہ مند اور بہادر عورت تھی جس طرح
وہ تنہا اپنی بیٹی کو پال رہی تھی۔ وہ قابل تحسین تھا اور اٹھارہ سال میں پہلی مرتبہ میں نے
اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔ میں نے غور کیا' اس کا رنگ بے حد زرد ہو رہا
تھا۔

''آیئے مہناز! اندر بیٹھ کر آرام سے بات کرتے ہیں۔ آپ کی طبیعت مجھے ٹھیک
نہیں لگتی۔''

میں مہناز کو اپنے آفس میں لے آیا۔ تب اس نے مجھے بتایا کہ اسے بلڈ کینسر ہے
اور یہ بات ابھی پتا چلی ہے' اسے دو دن قبل...... جب وہ اپنے بخار کے علاج کے لیے
ہاسپٹل گئی تو ڈاکٹر نے اسے مختلف ٹیسٹ کروانے کے لیے کہا۔

اس نے مجھے بتایا کہ اسے بخار تو پچھلے دو تین ماہ سے ہوتا تھا اماں کی وفات سے
پہلے ہی کبھی ہنڈرڈ' کبھی نائنٹی نائن لیکن اس نے کبھی پروا نہیں کی۔ بس وہاں گھر کے
پاس ہی ایک ڈاکٹر کے کلینک سے دوائیں لیتی رہی تھی۔ لیکن تین چار دن قبل بہت ہائی
ٹمپریچر ہو گیا تو فلک مجھے زبردستی ایک اسپیشلسٹ کے پاس لے گئی۔ خود مجھے بھی یوں لگتا

تھا جیسے یہ بخار میری ہڈیوں کو توڑ رہا ہے۔ اور اندر ہی اندر مجھے کمزور کرتا جا رہا ہے کیو
اب میں بہت زیادہ تھکنے لگی تھی۔ ذرا سا کام کرنے سے جسم ٹوٹنے لگتا تھا۔ سو فلک
کہنے پر میں ڈاکٹر حفیظ رابعہ کی طرف چلی گئی اور انہوں نے مجھے کچھ ٹیسٹ کروانے کو
اور پھر ٹیسٹ رپورٹ کے بعد انہوں نے بلڈ کینسر کا خدشہ ظاہر کرتے ہوئے مجھے کمپلیکس
بھیجا۔ جہاں مزید ٹیسٹ ہوئے اور انہوں نے بلڈ کینسر کی تصدیق کر دی۔''

ندا بیٹا میں ساکت بیٹھا اس کی بات سنتا رہا اور حتی الامکان اسے تسلی دینے
کوشش کی۔

''مجھے اپنی فکر نہیں ہے مستجاب! فلک ناز کا غم کھائے جا رہا ہے میرے بعد اس کا کوا
ہوگا۔ میں نے اس کے باپ کو تلاش کرنے کی کوشش کی ہے لیکن وہ گھر' وہ جگہ چھوڑ کر
کہیں اور چلا گیا ہے۔ وہ تو فلک ناز کے وجود سے بھی بے خبر ہے۔ بیس سال پہلے کے
اس کے ایک دو دوستوں کو میں جانتی تھی۔ ان کے نام پتے ذہن میں تھے۔ انداز
سے خط لکھ کر اس کے والد کے متعلق جاننے کی استدعا کی لیکن زیادہ پر امید نہیں ہوں۔''

مجھے اس پر بہت ترس آیا۔ اور میرا دل اس کے لیے بہت دکھا۔ برسوں پہلے جب
اسے اس فرم میں آئے تین چار سال ہی ہوئے تھے' اس نے مجھ پر ایک احسان کیا تھا
حالانکہ تب میری اس سے کبھی رسمی سی بات بھی نہیں ہوئی تھی۔ ڈائریکٹر کے آفس کی دراز
سے کسی نے دس لاکھ روپے نکال لیے تھے...... جو کچھ دیر پہلے اس نے دراز میں رکھے
تھے۔ اور دراز لاک نہیں کی تھی۔ میں ان دنوں ڈائریکٹر کا پی۔ اے تھا اور واحد میں تھا جو
وقت بے وقت ان کے آفس میں جاتا رہتا تھا' لہٰذا سارا شبہ مجھ پر کیا جا رہا تھا۔ اور میں
اس ناگہانی آفت سے بے حد گھبرایا ہوا تھا۔ میں نے ہاشمی صاحب (ڈائریکٹر) سے کہا
کہ وہ تو مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔ میں یہ حرکت نہیں کر سکتا لیکن انہوں نے میری کسی

ای طرح کی ضمانت دینے سے انکار کر دیا۔

''بھئی' یہ دیکھنا پولیس کا کام ہے۔'' اور پولیس مجھے پوچھ گچھ کے لیے لے گئی اور
ہیں پولیس کے طریقہ کار کا تو پتا ہے کہ بے گناہ کو بھی گناہ گار ثابت کرنا اس کے لیے
طعی مشکل نہیں ہے..... میں از حد پریشان تھا۔ میری پوری زندگی کا مسئلہ تھا۔ میرا
یریئر داؤ پر لگا تھا۔ ایسے میں مہناز نے میری مدد کی۔ اور پولیس میں آ کر بیان دیا کہ
ں نے برنی صاحب کے جانے کے فوراً بعد غلام علی چوہدری کو اندر جاتے اور پھر فوراً ہی
اہر آتے دیکھا تھا اور جب وہ باہر آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک بڑا شاپر تھا جسے اس نے
وراً ہی دراز میں رکھ کر بند کر دیا تھا۔ اور یہ کہ اس کی ٹیبل چونکہ بالکل برنی صاحب کے
آفس کے دروازے کے سامنے ہے' لہٰذا اس کی نظریں ہی بے ارادہ دروازے کی طرف
اٹھ جاتی ہے۔ اور یہ کہ اس کے علاوہ اور لوگوں نے بھی غلام علی کو اندر جاتے دیکھا تھا
بلکہ مستجاب صاحب کو ایک بار بھی اس روز اندر جاتے نہیں دیکھا گیا۔ پولیس نے اس
سے خوب جرح کی۔ خوب سوال و جواب کیے کہ آخر دو دن سے وہ خاموش کیوں تھی۔
اور جب مجھے پولیس لے جا رہی تھی تب وہ کیوں خاموش رہی۔

''عورت ہونا میری مجبوری ہے اور میرا خیال تھا کہ وہ جو اتنے لوگوں نے غلام علی کو
اندر جاتے دیکھا ہے تو کوئی تو بولے گا لیکن دو دن تک جب کوئی نہیں بولا تھا میرے ضمیر
نے مجھے ملامت کی کہ ایک بے گناہ شخص کو مجھے بچانا چاہیے۔ غلام علی اکیلا رہتا تھا۔ اس
کے فلیٹ سے اس کے گدے کے نیچے سے رقم برآمد کر لی گئی۔

میرا رواں رواں اس کا احسان مند تھا۔ یہ تین چار دن میں نے جس عذاب میں
کاٹے تھے۔ تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتیں بیٹا کبھی بھی نہیں اور میں ہمیشہ سوچتا تھا کہ میں
کبھی مہناز کے کام آ سکوں اور آج مہناز پریشان حال میرے سامنے بیٹھی تھی۔

"مہناز! میرے لائق کوئی خدمت ہو تو مجھے بتاؤ۔ اگر کہو تو میں کراچی جا کر فلک
ناز کے والد کا پتا کروں۔"

"نہیں بے فائدہ ہے۔ میں نے فون کیا تھا ایک دوست کو' اس نے بتایا ہے کہ
اپنا مکان مدت ہوئی فروخت کر کے اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ ملک سے باہر چلا
تھا۔ آپ تو بس مجھ پر اتنا کرم کریں کہ کوئی اچھا سا لڑکا اگر ہو آپ کی نظر میں تو
بتائیں اور......فلک ناز اپنے گھر کی ہو جائے تو میں مطمئن ہو جاؤں گی۔"

میں پریشان ہو گیا تھا۔ آج کل اس طرح رشتے ملنا کہاں اتنا آسان تھا۔ پھر
میں نے اسے تسلی دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔ آپ پریشان نہ ہوں پلیز۔"

"بس لڑکا دو وقت کی روٹی اور کپڑا دے سکے فلک ناز کو۔ ہمدرد اور محبت کرنے و
ہو۔"

اس نے آہستگی سے کہا۔ شاید وہ بھی جانتی تھی کہ یہ اتنی جلدی اس طرح اتنا آسا
نہیں ہے۔

"کیا کیا خواب دیکھے تھے میں نے لیکن......"

"حوصلہ کرو مہناز! فلک اتنی پیاری بچی ہے کہ......"

"ہاں۔" اس نے میری بات کاٹ دی۔ "مگر میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔
مستجاب بھائی! یہ خیال رکھیئے گا۔"

میں جانتا تھا کہ وہ اکیلی ہے......اور میں اس کے احسان کا بدلہ اتارنا چاہتا تھا۔
اس نے مجھے سرخرو کیا تھا۔ ورنہ شاید آج میں فخر سے سر اٹھا کر نہ جی سکتا۔ سو میں اسے
لے کر کئی ڈاکٹروں کے پاس گیا۔ اس کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی تو میڈیکل کرواؤ

پر اس نے ایک ماہ کی چھٹی لے لی۔ میں آفس سے سیدھا اس کی طرف جاتا' اسے میری
مدد کی ضرورت۔ تو محلے میں' آفس میں چہ میگوئیاں ہونے لگی تھیں۔ وہ جس محلے میں رہتی
تھی وہاں سب ایک دوسرے کی ذرا ذرا سی بات پر نظر رکھتے ہیں۔ میرا وہاں جانا ان کی
نظروں میں مشکوک ٹھہرا۔ ادھر آفس میں جب ایک کولیگ نے مجھ پر فقرہ اچھالا۔

"ارے سنا ہے مستجاب صاحب! آج کل مہناز کے لیے چکر لگائے جا رہے
ہیں۔"

دوسرے نے بھی کن اکھیوں سے مجھے دیکھا۔

"یہ چکر تو بہت پرانا ہے میاں' اٹھارہ برس پہلے کا۔ یعنی ہماری آنکھوں کے نیچے یہ
سب ہو رہا تھا اور ہم اتنے بے خبر تھے۔"

یہ جملے نہیں تھے پتھر تھے جو مجھے آ کر لگے۔ مجھے اپنے سے زیادہ مہناز کا خیال تھا
جس کی سفید چادر پر یہ گندگی کے چھینٹے مجھے ازحد اذیت دے رہے تھے۔ لوگوں کو بدلنے
میں دیر ہی کتنی لگتی ہے۔ ابھی کل تک وہ مہناز کا نام احترام سے لیتے تھے اور آج ان کی
آنکھوں میں اس کے لیے تحقیر تھی۔ تمسخر تھا۔

دکھ اور اذیت سے مجھ سے کچھ نہیں بولا گیا۔ میں انہیں یہ بھی نہ بتا سکا کہ مہناز کی
طرف میرا جانا محض انسانی ہمدردی ہے......اور یہ کہ وہ موت کے منہ میں جا رہی ہے۔ وہ
تو ایسی عورت ہے جس کے دامن پر فرشتے بھی نماز پڑھیں۔ اس کی زندگی کے پورے
اٹھارہ برس ان کے سامنے تھے لیکن وہ سب......لوگوں کے ذہن کتنے چھوٹے ہیں۔ اور
دلوں میں کتنی غلاظت بھری ہے۔ میں اس روز اپنے آفس میں بیٹھا کھولتا رہا اور سوچتا رہا
کہ آخر ان تک یہ خبریں کیسے پہنچیں۔ وہ روز بروز موت کے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ اور
ابھی تک میں فلک ناز کے لیے کوئی مناسب لڑکا تلاش نہیں کر سکا تھا۔ میں نے دو تین

شادی دفتروں سے بھی رجوع کیا تھا لیکن پتا نہیں کیوں ابھی تک کہیں سے کوئی مثبت جواب نہیں ملا تھا۔ یہ شادی دفتر بھی زیادہ تر صرف روپیہ کمانے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ادھر جب میں اس کی طرف جاتا تو اس کی نظریں مجھ سے سوال کرتیں۔

اس روز کے بعد میں کئی دن تک ادھر نہ جا سکا تو مہناز نے آج صبح مجھے آفس میں فون کیا۔ اس کی آواز بے حد مدھم تھی۔ جیسے اس پر نقاہت طاری ہو رہی ہو۔ خدا جانے وہ باہر تک کیسے آئی تھی۔

''میری طبیعت بہت خراب ہے۔ شاید میں نہ بچوں اب۔ مستجاب بھائی! آپ آئے کیوں نہیں اتنے دنوں سے۔ خیریت تو تھی نا گھر میں؟''

''ہاں مہناز۔'' میں شرمندہ ہو گیا۔

یہ میرا کیسا جذبہ، ہمدردی تھا جو محض چند جملے سن کر پانی ہو گیا تھا۔۔۔۔وہ بھی کسی سے نہیں ڈری تھی۔ حالانکہ جب اس نے میرے حق میں گواہی دی تھی تو اس کے لیے بھی باتیں ہوئی ہوں گی۔ اور پھر غلام علی جیسے شخص کے خلاف گواہی دینا بڑے حوصلے کی بات تھی۔ کسی مرد میں یہ جرأت نہ تھی۔ سب کو اپنی زندگیاں عزیز تھیں' اگر وہ گواہی نہ دیتی تو میں آج کہاں ہوتا۔ شاید جیل میں یا۔

''کچھ پریشانی تھی۔'' میں نے یونہی کہہ دیا۔

''وہ قندیل بیورو والوں نے کچھ بتایا۔''

''نہیں۔ میں آ کر بتاتا ہوں سب۔ مہناز! آپ گھر جائیں۔ آپ کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی۔''

سو میں آج آفس سے چھٹی کر کے اسی وقت اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس کی طبیعت واقعی بہت خراب تھی۔ ڈاکٹر تو بہت دنوں سے اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہونے

کے لیے کہہ رہے تھے لیکن وہ کسی صورت تیار نہ ہوئی تھی۔۔۔۔۔اسے صرف فلک ناز کا خیال تھا کہ

''وہ اکیلی کیسے رہے گی گھر پر۔۔۔۔؟ کوئی بھلا آدمی مل جائے تو اس کا نکاح کر دوں فوراً اور اس کو رخصت کر کے پھر بھلے مجھے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دینا۔

آج وہ بے حد مضمحل لگ رہی تھی اور اس کی آنکھوں میں بے حد تھکن اور مایوسی تھی۔

''مستجاب بھائی! مجھے کچھ ہو گیا تو فلک ناز کا کیا بنے گا۔'' وہ رونے لگی تو میں نے اسے تسلی دی کہ ''میں فلک ناز کا ہمیشہ بیٹیوں کی طرح خیال رکھوں گا اور اسے اپنے گھر لے جاؤں گا۔ شہر بانو بہت اچھی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ اسے اپنی بیٹی کی طرح ہی سمجھے گی۔۔۔۔ میں آج شام ہی شہر بانو کو لے کر آتا ہوں۔'' اس کے چہرے پر ممنونیت سی چھا گئی۔

مجھے یقین تھا ندا بیٹے کہ تمہاری ماں ایک منٹ بھی تامل نہیں کرے گی میرے ساتھ آنے میں۔ بلکہ وہ لڑے گی۔ میں نے اب تک اسے مہناز کی بیماری کا بتایا کیوں نہیں۔ اسے یقیناً وہ چار دن کی اذیت نہیں بھولی ہو گی۔ وہ تو از خود مہناز کی ہمیشہ ممنون رہی تھی۔

اور کاش ایسا ہو جاتا۔ میں نے دل گرفتگی سے سوچا'' کاش ابا اماں کو لے جاتے اور پھر صورت حال یوں نہ ہوتی۔ اماں یوں پتھر بنی باہر نہ بیٹھی ہوتیں اور ابا کو میرے سامنے اتنی وضاحتیں نہ کرنا پڑتیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔۔۔۔۔ جانے کب کس وقت ابا سے کوئی غلطی ہو گئی تھی کہ یہ اتنی بڑی آزمائش آ گئی ان پر۔

سب کچھ آناً فاناً ہوا ندا بیٹا۔۔۔۔! بہت دیر تک میری سمجھ ہی میں نہیں آیا۔۔''

اپا کے لہجے میں آرزدگی در آئی تھی۔

''وہ سب ایک وفد کی صورت میں اندر آئے تھے۔ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔شاید دو مرد تھے اور تین عورتیں۔فلک ناز نے بیل کی آواز پر دروازہ کھولا تو وہ سب اندر آ گئے اور سیدھے کمرے میں چلے آئے۔۔۔۔۔دو ہی تو کمرے تھے اس گھر میں ۔۔۔۔۔مہناز لیٹی ہوئی تھی۔انہیں دیکھ کر اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔ان میں سے جو سب سے بزرگ تھا۔اس نے کہا۔

''بی بی! ہم تو تمہیں شریف سمجھتے تھے لیکن ماں کے مرتے ہی یہ گل کھلا رہی ہو تم۔۔۔۔۔یہ کون مرد ہے جو ہر روز چلا آتا ہے یہاں۔یہ شریفوں کا محلّہ ہے۔''

مہناز کا رنگ سفید پڑ گیا۔میں حیرت زدہ سا کھڑا تھا۔میں نے کوشش کی کہ کچھ کہہ سکوں لیکن جیسے حلق میں گولہ سا پھنس گیا۔مجھے کیا خبر تھی کہ میری ہمدردی اتنی مہنگی پڑے گی۔میں نے آپ کو بتایا ہے نا بیٹا کہ وہ جس محلے میں رہتی تھی۔وہ اندرون شہر کا ایک ایسا محلّہ ہے جہاں ایک دوسرے گھر میں ہونے والی سب سرگرمیوں سے سب واقف ہوتے ہیں۔اگر بے وقت کوئی کسی کے گھر آ جائے تو پورے محلے کی کھڑکیاں کھل جاتی ہیں۔ایک لحاظ سے یہ اچھا بھی ہوتا ہے سب ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک رہتے ہیں لیکن۔''

میں حیران و پریشان سا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔مہناز بھی ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔پھر بمشکل اس نے آہستگی سے کہا۔

''محترم بزرگ! مجھے تقریباً بیس سال ہو گئے ہیں یہاں رہتے ہوئے اور مجھے دکھ ہے کہ آپ نے اندازے لگانے میں بہت جلدی کی۔''

میرے کھنچے ہوئے اعصاب ذرا سے ڈھیلے ہوئے ہی تھے کہ دوسرے ہی لمحے

مہناز نے جو بات کی' اس نے مجھے ایک دم پاتال میں گرا دیا۔

''یہ مستجاب ہیں۔میرے ساتھ آفس میں کام کرتے ہیں اور۔''

''آفس میں ساتھ کام کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ جوان جہان مرد گھر میں بھی آنے لگے۔جو کچھ کرنا ہے بی بی آفسوں میں ہی کرتی پھرو۔ہماری جوان بیٹیاں ہیں اور یہ گند محلے میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔''

ایک خاتون نے تیز آواز میں مہناز کی بات کاٹ دی۔ان کی آواز کسی تیز دھار خنجر کی طرح اندر تک مجھے کاٹتی چلی گئی...... پسینہ میری پیشانی سے قطروں کی طرح بہہ نکلا۔میں ایسی صورت حال سے کبھی دو چار نہیں ہوا تھا۔

مہناز نے ملتجی نظروں سے مجھے دیکھا۔اور نرمی سے بولی۔

''خالہ! آپ میری بات تو سنیں۔اماں کی وفات کے بعد اچانک ہی مجھے پتا چلا کہ مجھے بلڈ کینسر ہے اور میں صرف چند دنوں کی مہمان ہوں...... میں نے آفس میں بات کی۔میں چاہتی تھی کہ اپنی زندگی میں ہی فلک ناز کو اپنے گھر کا کر دوں...... اور یہ مستجاب ہیں...... میرے ہونے والے داماد......''

میں ایک دم پاتال میں گرتا چلا گیا...... یہ کیا کہہ دیا تھا مہناز نے۔یہ کیا کہہ رہی تھی وہ۔

''میں بہت کم مایہ ہوں...... میری جھولی خالی ہے اور یہ بہت عظیم انسان ہے۔جو ان مشکل لمحوں میں میرا بوجھ بٹانے کے لیے آگے آیا ہے...... خالہ! میں تو خود آپ لوگوں کے پاس آنے والی تھی آپ کو بتانے کے لیے۔مجھے آپ سب کی مدد کی ضرورت تھی کہ آپ لوگوں کی دعاؤں کے سائے میں فلک ناز کو رخصت کروں۔''

''تم نے ہم سے ذکر کیوں نہیں کیا۔ہمیں بتایا کیوں نہیں۔ہم سب تمہارے اپنے

تھے۔ برسوں کا ساتھ ہے ہمارا۔''

بھانت بھانت کی آوازیں میرے کانوں میں پڑ رہی تھیں۔ اور میں بت بنا کھڑا تھا۔ مہناز کی ملتجی نظریں بار بار میری طرف اٹھ رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ مجھ سے التجا کر رہی تھی۔ اور میں ساکت کھڑا تھا۔ میرا ذہن اور دل اس صورت حال کو قبول کرنے سے قاصر تھا۔ ابھی چند لمحے پہلے جن کے لہجے تیغ صفت تھے اب انہی لہجوں میں مٹھاس اتر آئی تھی۔ وہ سب اس سے ہمدردی کر رہے تھے۔ اپنی خدمات پیش کر رہے تھے فلک ناز کا خیال رکھنے کی بات کر رہے تھے۔

اور میں ہولے ہولے اس ساکت کیفیت سے باہر آ رہا تھا اور مجھے مہناز کی اس حاضر دماغی پر حیرت ہو رہی تھی۔

اس نے بڑی عقل مندی سے صورت حال کو سنبھال لیا تھا۔ لیکن اس کے بعد۔ اس کے بعد کیا ہوگا یہ میں نے ابھی نہیں سوچا تھا۔ یقیناً مہناز کے ذہن میں کچھ ہوگا۔ اس نے کچھ سوچ لیا ہوگا کہ اسے کیا کرنا اور کہنا ہے...... اور کس طرح سب کو مطمئن کرنا ہے۔ اور یہ طے تھا کہ مجھے اب مہناز کی طرف نہیں آنا۔ دل میں مجھے تھوڑا سا افسوس ہوا تھا کہ وہ جو میری وجہ سے اسے ڈھارس تھی اور وہ تمام تکلیف دہ ٹیسٹس سے گزر رہی تھی۔ شاید آئندہ ایسا نہ ہو۔ آفس میں بھی چہ میگوئیاں ہوتی تھیں۔ شاید آفس کے کسی بندے نے مجھے یہاں آتے دیکھا تھا۔ شاید وہ کہیں آس پاس ہی رہتا ہو۔

مہناز پر اچانک ہی نقاہت غالب آ گئی تھی۔ اس نے تکیے سے ٹیک لگا کر آنکھیں موندیں تو وہ سب میری طرف متوجہ ہو گئے۔ اور میں ان کے سوالوں کی زد میں آ گیا۔

''کون ہو؟ کیا کرتے ہو۔''

''ماں باپ کہاں رہتے ہیں۔ بہن بھائی کتنے ہیں' گھر کہاں ہے؟

''تنخواہ کتنی ہے؟''

کسی نظر میں ستائش تھی۔ کسی میں تجسس۔ کسی میں احترام لیکن دو آنکھیں ایسی تھیں جن میں شک کے سائے لہرا رہے تھے۔ یہ شک لبوں پر آ گیا۔

''لیکن وہ باقر' اپنی ناہید کا میاں تو کہہ رہا تھا کہ مہناز کا چکر ہے۔ مستجاب کے ساتھ۔ مدتوں سے ہے بہت پرانا......

مہناز نے تڑپ کر آنکھیں کھول دیں۔

''تو یہ باقر تھا۔'' میں نے ایک گہری سانس لی۔ ''آفس میں بھی اسی نے خبریں پھیلائی تھیں۔ اور یہ وہ شخص تھا جس نے مہناز کے جوائن کرنے کے بعد مہینوں اسے تنگ کیا تھا۔ اس کے راستے میں کھڑا ہو جاتا۔ بے ہودہ فقرے کستا اور ایک روز مہناز نے تنگ آ کر ڈی۔ جی سے شکایت کر دی تھی۔ تب کہیں اس نے مہناز کو تنگ کرنا چھوڑا تھا اور جب مہناز نے میرے حق میں گواہی دی تھی تب بھی تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس نے فضول ریمارکس دیئے تھے کہ **There is some thing wrong** وغیرہ کہہ کر۔

مہناز ایک بار پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی تھی لیکن اس کا سانس الجھ رہا تھا۔ اس نے ان خاتون کی بات کی کوئی صفائی نہیں دی تھی' البتہ دوسری بزرگ خاتون سے درخواست کی تھی۔

''خالہ! مجھے لگتا ہے جیسے میں چند گھڑیوں کی مہمان ہوں۔ آپ لوگ میری بزرگ ہیں۔ میری خواہش ہے کہ آپ لوگ ابھی فلک ناز اور مستجاب کا نکاح پڑھوا دیں۔ تا کہ میں سکون سے مر سکوں۔ اگر میں بچ گئی تو بعد میں آرام سے رخصتی کرتی رہوں گی اور نہ بچ سکی تو مستجاب فلک ناز کو اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس طرح وہ ہی اس کے قانونی

ورشرعی وارث ہو جائیں گے۔''

کمرے میں پھر شور مچ گیا تھا...... وہ سب بیک زبان بول رہے تھے۔ وہ ایک بار پھر خود کو اس مشکوک صورت حال سے باہر نکال لائی تھی۔ اور میں ایک بار پھر جامد ہو گیا تھا۔ اگلے لمحے کیا ہونے والا تھا۔ مجھے اس کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ میرے اندر شور مچا تھا۔ اس لیے وہ سب جو کچھ کہہ رہے تھے۔ میری سماعتیں اسے کیچ نہیں کر رہی تھیں میں سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ مجھے اس ہمدردی اور خلوص کی کیا سزا ملنے والی ہے۔ میں پتھر بنا بیٹھا تھا۔ پھر یکا یک مجھے لگا جیسے میرے اردگرد آوازیں مرگئی ہوں۔

میں چونک کر دیکھا۔ وہ سب لوگ جا چکے تھے اور مہناز تکیے کے سہارے بیٹھی مجھے دیکھ رہی تھی۔ اور بے آواز آنسو اس کے رخساروں کو بھگوتے جا رہے تھے۔

''مہناز!'' میرے لبوں سے بے اختیار نکلا۔ ''یہ تم نے کیا کیا مہناز؟''

''میرے پاس کوئی اور راستہ نہ تھا۔ عزت بہت مشکلوں سے بنتی ہے مستجاب! اور لمحوں میں ختم ہو جاتی ہے۔''

''لیکن۔'' میں الجھ گیا۔ ''یہ تم نے ابھی نکاح کی بات کیوں کی۔ بعد میں ہم کچھ بہتر راہ سوچ سکتے تھے۔ تم تھوڑی سی مہلت تو دے دیتیں۔ میں کوشش کر لیتا۔ بلکہ آج شام بھی مسز برنی نے مجھے بلا رکھا تھا' کسی لڑکے سے ملانے کے لیے۔''

''ہاں' لیکن میرے پاس وقت نہیں ہے مستجاب! بالکل بھی نہیں۔ اور پھر کیا پتا وہ لڑکا کیسا ہو میرج بیورو کے ذریعے ہونے والی شادیاں اکثر فراڈ ہوتی ہیں اور میں سکون سے مرنا چاہتی ہوں' فلک ناز کو محفوظ ہاتھوں میں دے کر۔''

وہ خود غرض ہو گئی تھی اس لمحے۔ مجھے حیرت ہوئی۔

''مہناز! تم جانتی ہو۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میری دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے......

میری بیٹی تقریباً فلک ناز کی ہم عمر ہی ہے۔''

''ہاں جانتی ہوں مستجاب! لیکن بتاؤ میں کیا کروں۔''

آنسو اور روانی سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگے۔

''یقین کرو اب سے چند گھنٹے پہلے تک میرے تصور میں بھی نہ تھا کہ میں ایسا کوئی فیصلہ کروں گی۔ یہ سب کچھ خود بخود اچانک ہوا۔''

''لیکن......'' میں ہر حال میں اس صورت حال سے باہر آنا چاہتا تھا۔

''دیکھو' میرا بیٹا اگرچہ چھوٹا ہے صرف بارہ سال کا۔ پھر بھی میں اس سے فلک ناز کا نکاح کرنے کو تیار ہوں۔ چند سالوں بعد وہ جوان ہو جائے گا۔ تو عمروں کا یہ فرق باقی نہیں رہے گا۔ فلک ناز تو یوں بھی نازک سی دبلی پتلی لڑکی ہے جب کہ میرے بیٹے کی صحت بہت اچھی ہے اور وہ اپنی عمر سے کافی بڑا لگتا ہے۔''

میں نے فوری فیصلہ کیا تھا۔ لیکن مہناز کسی صورت بھی تیار نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے میرے ہاتھ باندھ دیے۔

''برسوں پہلے میں نے تم پر ایک احسان کیا تھا۔ میں آج تم سے اس احسان کا بدلہ مانگتی ہوں۔ چاہے تم مجھے کم ظرف کہہ لو۔ خود غرض۔ جو بھی لیکن میں آج اس احسان کی قیمت مانگ رہی ہوں۔''

میں اگر کم ظرف ہوتا تو اس کا احسان نہ مانتا۔ اسے یوں ہی چھوڑ کر چلا آتا...... لیکن میں ایسا نہ کر سکا ندا بیٹے۔! میں اندر سے بہت کمزور ہوں۔ میں کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ میں کسی کی آس نہیں توڑ سکتا میں یوں ہی بیٹھا رہا خاموش اور تھوڑی دیر میں صحن بھر گیا۔ چھوٹا سا صحن تھا۔ لوگ ہی کتنے آتے تھے۔ اس میں۔ مولوی صاحب بھی آ گئے کچھ بزرگ میری طرف سے گواہ بن گئے۔ آناً فاناً سب کچھ ہو گیا...... میں تو ابھی تک حیرت

میں تھا۔ چونکا تو اس وقت جب فلک ناز زور سے چیخی۔ مہناز بے ہوش ہوگئی تھی......
ایک خواب کی سی کیفیت میں مہناز کو لے کو ہاسپٹل گیا۔ آدھا محلہ ساتھ تھا۔ اور اسے
ایڈمٹ کروا کے فلک ناز کو ساتھ لے کر ادھر آ گیا ہوں کہ وہاں وہ کسی اٹینڈنٹ کو فی
الحال رہنے نہیں دے رہے۔''

ابا تھک کر خاموش ہو گئے تو میں خاموشی سے اٹھ کر فلک ناز کے پاس آ بیٹھی۔
اپنے بازو اس کے گرد حمائل کیے۔

''فلک ناز گھبراؤ نہیں۔ ہم سب ہیں نا۔''

میرا اتنا کہنا تھا کہ وہ میرے گلے سے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

''ابھی یہ ضروری تھا بیٹا! لیکن ہمیشہ ایسا نہیں رہے گا۔ صرف چند دنوں کی بات
ہے۔ میں بہت جلد کسی اچھے سے لڑکے کو دیکھ کر......اور پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔
اپنی اماں کو سمجھا دو......مجھے اس وقت سب سے زیادہ اس کی مورل سپورٹ کی ضرورت
ہے۔ میں نے فلک ناز کو بھی سمجھا دیا ہے......یہ تمہارے کمرے میں رہے گی۔ شام کو ہم
اس کے کپڑے اور ضروری چیزیں وغیرہ لے آئیں گے۔''

ابا مجھ سے بات کر کے ریلیکس ہو گئے تھے۔ مجھے ابا پر اور بھی پیار آیا تھا......
میرے ابا یقیناً بہت عظیم ہیں۔ بہت بلند میرے دل میں ان کا جو بت ٹوٹ گیا تھا' وہ
پہلے سے زیادہ شان کے ساتھ پھر ایستادہ ہو گیا تھا۔ ابا بہت تھکے ہوئے اور نڈھال تھے۔

میں بھی اماں کی طرح ابا کی کیفیات کو سمجھ لیتی تھی۔ ابا نے ایک طویل ذہنی پریشانی
اٹھائی تھی۔ ان کی کشادہ پیشانی اور صبیح چہرے سے ابھی بھی پریشانی جھلک رہی تھی۔
انہیں آرام کی ضرورت تھی۔ اور ابھی انہیں اماں کو بھی منانا تھا۔ اس کے لیے ضروری تھا
کہ وہ فریش ہوں۔ اس وقت مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ اماں کو منانا اتنا مشکل اور ناممکن

کا ہو گا۔

''ابا! آپ آرام کریں۔ میں فلک ناز کو اپنے کمرے میں لے جا رہی ہوں۔''

میں فلک ناز کا ہاتھ پکڑ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہاں یہ ٹھیک ہے۔'' ابا نے آہستگی سے کہا۔ ''یہ بھی کچھ آرام کر لے گی اور بیٹا!
اپنی اماں سے بات کرنا کہ یہ سب عارضی ہے......''

میں نے سر ہلا دیا۔

ابا مجھ سے بات کر کے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے جیسے انہیں یقین ہو کہ میں سب
ٹھیک کر لوں گی۔ اور اس وقت میرے ذہن میں بھی یہی بات تھی کہ کس طرح میں نے ابا
کی بات سمجھ لی ہے اس طرح اماں بھی سمجھ لیں گی جبکہ وہ ابا کو مجھ سے زیادہ سمجھتی ہیں۔

لیکن ایسا نہ ہو سکا تھا۔ اماں نے ساری کہانی سن کر ایک لفظ بھی نہ کہا تھا۔ وہ اسی
طرح سر جھکائے تخت پر بیٹھی رہی تھیں۔ جب میں فلک ناز کو اپنے کمرے میں چھوڑ کر
آئی تو اماں اسی پوزیشن میں بیٹھی تھیں۔ جس پوزیشن میں ابا کے کمرے میں جاتے
ہوئے میں نے انہیں دیکھا تھا۔ ان کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور آنکھیں یوں ویران تھیں
جیسے برسوں سے ان آنکھوں میں کوئی نہ چمکا ہو۔ کوئی خواب نہ جاگا ہو اماں کی آنکھیں
کتنی چمک دار اور روشن تھیں۔ ہر وقت جگمگ جگمگ کرتی رہتیں۔

ابا کبھی موڈ میں ہوتے تو ہنس کر پوچھتے تھے۔

''شہر بانو! یہ تو بتاؤ۔ یہ تم نے اپنی آنکھوں میں کیا تارے کوٹ کر بھر لیے ہیں۔
اور پتا ہے پہلی بار تو ہم ان تاروں کو آپ کی آنکھوں میں دمکتے دیکھ کر سحر زدہ سے ہی ہو
گئے تھے۔''

مگر اب ان آنکھوں میں دور تک ویرانی اور سناٹے سے چھائے ہوئے تھے۔

''اماں! میں نے ان کے پاس تخت پر بیٹھتے ہوئے ان کا ہاتھ تھام لیا۔''سب کچھ ایسا نہیں ہے اماں! ابا نے سب مجھے بتایا ہے۔''

میں ہولے ہولے اماں کو سب کچھ بتانے لگی لیکن اماں نے پوری بات سن کر بھی کچھ نہ کہا۔ بس آہستہ سے اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے چھڑا لیا۔

''بہت جلد ابا سب کچھ ٹھیک کر لیں گے اماں پلیز' اس وقت فلک ناز کو ہماری ہمدردی کی ضرورت ہے۔''

لیکن شاید اماں کو ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابا ایسا بھی کر سکتے ہیں۔

''ابھی اماں شاک میں ہیں۔'' میں نے سوچا۔'' ہولے ہولے وہ صورت حال کو قبول کر لیں گی۔ میری اماں بھی تو بڑی دریا دل اور سخی ہیں۔

''اچھا اماں پلیز' اٹھیں' تھوڑی دیر آرام کر لیں۔''

میں نے محبت سے ہاتھ پکڑ کر انہیں اٹھایا۔ وہ کسی ڈمی کی طرح بے چوں و چرا اٹھ گئیں۔ میں اسی طرح انہیں تھامے تھامے اندر بڑے کمرے میں لے گئی اور انہیں بیڈ پر لٹا دیا۔

''چلیں اب آنکھیں موند کر سو جائیں۔ اور ذہن پر بار نہ ڈالیں۔ ہمارے ابا بہت اچھے ہیں اور بہت عظیم۔''

میں مسکرائی۔ لیکن پتا نہیں کیوں میری آنکھیں نم ہو گئیں اور باوجود کوشش کے میں اس ایک آنسو کو باہر آنے سے نہ روک سکی جو رخسار پر آ کر ٹھہر گیا تھا۔ اماں نے نظر اٹھا کر مجھے دیکھا..... اپنا ہاتھ بڑھا کر اس آنسو کو اپنی انگلی کی پور پر لے لیا۔ اور کچھ دیر تک یونہی دیکھتی رہیں۔ اور میرا دل جیسے کٹنے لگا۔

''کیا اماں؟''

''اماں!'' میں نے بے اختیار انہیں جھنجھوڑ ڈالا ''اماں! آپ ٹھیک تو ہیں نا۔''

انہوں نے آہستگی سے سر ہلایا اور آنکھیں موند لیں...... میں نے جھک کر ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ اور انہیں چادر اوڑھا کر باہر دعا کے پاس آ کر بیٹھ گئی جو فلک ناز کے کمرے میں جانے کے بعد اٹھ کر باہر آ بیٹھی تھی۔

''دعا!'' میں نے ہاتھ بڑھا کر دعا کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

وہ جو ضبط کیے بیٹھی تھی یکدم میرے گھٹنے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ خود میرا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ لیکن میں ضبط کر کے ہولے ہولے اسے تھپکنے لگی۔

اور یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں تھا جس طرح میں نے سوچا تھا۔اماں نے چپ ا
بکل اوڑھ لی تھی۔ وہ سب کی بات سنتیں اور خاموش رہتیں۔منہ سے ایک لفظ نہ کہتیں۔

شاید انہیں مان ٹوٹ جانے کا دکھ تھا۔

شاید مان ٹوٹ جانے کا بھروسہ ختم ہو جانے کا عذاب اتنا ہی شدید ہوتا ہے او
اماں کا مان بھی ٹوٹ گیا تھا۔ابا اگر ان سے پہلے بات کر لیتے تو شاید اماں کو اتنا شاک نہ
لگتا۔

اماں تو خود بڑی فراخ دل' بڑی اعلیٰ ظرف اور بڑی سخی تھیں۔

پھر پتا نہیں کیوں وہ ابا کا یہ جرم معاف کر دینے کو تیار نہ تھیں۔اور ابا بے حد تھکے
تھکے مضمحل اور نڈھال لگتے تھے۔وہ دہرے عذاب میں تھے۔

گھر میں اماں کا رویہ انہیں پل پل مارے ڈال رہا تھا اور دفتر میں دوست احباب
اور کولیگز کی باتیں۔

"ارے مستجاب صاحب! یہ آپ نے کیا کیا؟ آپ کی تو ایک مکمل پرسکون لائف
تھی۔اپنی بیٹیوں جتنی عمر کی لڑکی سے۔"

کیا وہ وضاحتیں کرتے۔

ایک اماں اگر ان کی وضاحت سن لیتیں۔ان کا ساتھ دے دیتیں تو شاید وہ زمانے
بھر کی' کسی کی پروانہ کرتے۔

وہ کہا کرتے تھے "اگر میں ٹھیک ہوں تو میرا ضمیر مطمئن ہے تو مجھے اس بات کی قطعی
کوئی پروانہیں ہے کہ زمانہ مجھے کیا کہتا ہے۔" لیکن اب جیسے وہ اندر سے ڈھے سے گئے
تھے۔ایک میں تھی جس سے وہ اپنے دل کی بات کر لیتے تھے۔اور میں..... میرے پاس
بھی کیا تھا میں بھی کیا کر سکتی تھی۔

سوائے چند لفظ تسلی کے کہنے کے۔

دعا کی آنکھیں ہر وقت آنسوؤں سے بھری رہتی تھیں۔

وہ صبح کالج جاتے ہوئے ہر روز ایک بار نہ جانے کا اعلان کرتی تھی۔اگر وہاں کسی
کو پتا چل گیا تو سب کیا کہیں گے۔دعا کے ابا نے شادی کر لی۔اس عمر میں۔تین بچوں
کا باپ ہو کر اور ایسی خبریں بھلا کہاں چھپتی ہیں۔دفتر میں اگر باقر نے یہ خبر پھیلائی تھی۔
کوئی اور کہیں اور بھی پھیلا سکتا تھا۔

اگرچہ ہم جس علاقے میں رہتے تھے' وہ خاصا پوش علاقہ تھا۔لوگ ایک دوسرے
کی ٹوہ میں نہیں رہتے تھے۔ابھی تک کسی نے ہم سے آ کر فلک ناز کے متعلق نہیں پوچھا
تھا کہ وہ کون ہے ہماری۔لیکن پھر بھی ذیشان نے شام کو کھیلنے کے لیے باہر جانا چھوڑ دیا
تھا۔

وہ ابا سے از حد خفا تھا۔

اس نے ان سے بات کرنا بند کر دیا تھا۔ وہ سارا کا سارا اماں پر گیا تھا۔ شکل
صورت میں بھی اور عادات میں بھی۔ اگرچہ ابھی وہ صرف بارہ برس کا تھا پھر بھی اس میں
بے حد غصہ بھرا تھا۔ وہ بھی اماں کی طرح ابا کو معاف کرنے کو تیار نہ تھا۔

فلک ناز بھی جو ہر وقت سہمی سہمی رہتی تھی۔ مجھے اس پر ترس آتا تھا۔

میں حتی الامکان اس کی دلجوئی کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ لیکن اس کی آنکھوں
نمی ایسے ہی رہتی تھی اور کہاں ایسی لڑکی کی دلجوئی کی جا سکتی تھی۔ جس پر اچانک ہی اتنا
دکھ آ پڑا ہو۔

وہ نہ دلہن بنی تھی۔

نہ اس کے ہاتھوں میں مہندی لگی تھی۔

نہ سہیلیوں نے ڈھولک پر سہاگ گیت گائے تھے اور وہ وداع ہو کر ایک ایسے گ
میں آ گئی تھی۔ جو پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ جہاں اس کی ضرورت نہ تھی' جہاں کے مکینوں ۔
نہ صرف یہ کہ اسے قبول نہیں کیا تھا۔ بلکہ اس کا وجود ان سب کے لیے ایک مسلسل عذاب
تھا۔ اور پھر وہ ایک شخص جس سے منسوب ہو کر وہ اس گھر میں آئی تھی وہ مہربان ہو۔
کے باوجود اس کا نہیں تھا۔

اس کی ماں ہاسپٹل میں موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اور اس کا دنیا میں
کوئی ٹھکانہ تھا۔

ڈاکٹروں نے صاف صاف کہہ دیا تھا۔ کہ یہ صرف چند دنوں کی مہمان ہے۔ آج
کل یا پرسوں کسی بھی دن اچانک زندگی کا چراغ بجھ جائے گا۔

ابا دفتر سے آتے تو بے حد تھکے تھکے نڈھال اور مضمحل ہوتے۔ چند دنوں میں ان
کی شخصیت بدل کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ وہ ہمیشہ فریش رہتے تھے۔ خوش اور مطمئن ان کی

انکھوں میں ہمیشہ ایک شوخ سی چمک لہراتی رہتی تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی۔
وہ کتنے بھی تھکے ہوئے ہوتے تھے۔ یہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں سے جدا نہ ہوتی
تھی۔ اور چلتے پھرتے کھانا کھاتے وہ اماں پر فقرے چست کرتے رہتے تھے۔ لیکن اب
ان کی آنکھوں کی چمک ماند پڑ گئی تھی اور ہونٹوں کی مسکراہٹ بجھ گئی تھی۔ وہ سر جھکائے
سیدھے اپنے کمرے میں چلے جاتے۔

اماں اگر کہیں باہر ہوتیں تو ان کے آتے ہی کمرے میں چلی جاتیں جیسے ابا ان کے
لیے نامحرم ہو گئے تھے۔

سلام کر کے دعا بھی ادھر ادھر ہو جاتی۔

جب سے فلک ناز میرے کمرے میں آئی تھی دعا اماں کے ساتھ بڑے کمرے
بں سونے لگی تھی۔ ذیشان تو پہلے ہی وہاں سوتا تھا۔ ایک میں تھی جو ابا کے ساتھ ساتھ ان
کے کمرے میں جاتی ان سے کھانے کا پوچھتی۔ اگر انہیں کھانا کھانا ہوتا تو کھا لیتے نہیں تو
کہہ دیتے کہ انہیں بھوک نہیں ہے۔

ہاں اتنا ضرور پوچھتے۔

''فلک ناز نے کھا لیا ہے؟''

کبھی کبھی کہتے۔

''اس کا خیال رکھا کرو۔ اس کی دلجوئی کیا کرو۔ وہ بہت دکھ میں ہے۔ اس کا غم
ن بڑا ہے۔''

میں سر ہلا دیتی۔

پھر شام کو وہ کمرے سے باہر نکلتے۔ دھیرے دھیرے چلتے میرے کمرے تک
تے۔

"بیٹا!" فلک سے کہو تیار ہو کر آجائے۔ہاسپٹل جانے کے لیے۔"

اتنا کہہ کر وہ رکتے نہیں تھے اور خاموشی سے گاڑی میں جا کر بیٹھ جاتے۔

"مجھے فلک سے کچھ کہنے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ وہ فوراً اٹھکر چادر اوڑھ لیتی..... جیسے صبح سے وہ صرف اس ایک بات کے انتظار میں بیٹھی ہو۔

"اپنی امی کو میرا اسلام کہنا فلک! میں انشاء اللہ کسی دن انہیں دیکھنے آؤں گی۔ اور انہیں بتانا کہ میں ان کے لیے دعا کرتی ہوں۔"

میں ہر روز کی طرح کہتی۔ وہ نگاہیں اٹھا کر مجھے دیکھتی گیلی آنکھوں میں میرے لیے سپاس گزاری ہوتی۔ میں ہولے سے اس کے ہاتھ تھپتھپاتی اس کے ساتھ ساتھ گاڑی تک آتی۔ وہ خاموشی سے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر بیٹھ جاتی اور ابا گاڑی نکال لے جاتے۔

میں حقیقتاً اس کی امی کو دیکھنے جانا چاہتی تھی۔لیکن مجھے اماں کی ناراضی کا خوف تھا. اور پھر ذیشان اور دعا کی خفگی کا بھی خیال تھا۔ جو پہلے ہی فلک سے بات کرنے پر نف ہتے تھے۔اماں تو زبان سے کچھ نہیں کہتی تھیں۔لیکن دعا اور شان تو برملا خفگی کا اظہار کرتے تھے۔

"آپی! آپ اس سے مت بات کریں۔"

دعا کو اس بات پر حیرت تھی کہ میرا اس کے ساتھ رویہ ایسا ہے جیسے وہ میری سوتیلی ماں نہیں۔

میری اماں کے حقوق کی غاصب نہیں بلکہ میری کوئی بہت گہری دوست ہو..... اور میں دعا کو سمجھا نہیں سکتی تھی کہ وہ بہت مظلوم ہے۔

اماں سے بھی اور ہم سے بھی زیادہ مظلوم

میں اس کی ماں کی مزاج پرسی کرنا چاہتی تھی اور اس مرتی ہوئی عورت کو تسلی دینا چاہتی تھی کہ فلک ناز کو کوئی ڈر یا خوف نہیں تاکہ وہ پرسکون ہو جائے کہ وہ اچھے لوگوں میں ہے۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ابا کی بھی یہ شدید ترین خواہش ہے کہ اگر اماں نہیں تو میں ہی کسی دن اس کے ساتھ مہناز کو دیکھنے چلی چلوں۔ اگرچہ انہوں نے زبان سے نہیں کہا تھا۔لیکن میں سمجھتی تھی مگر مجھ میں اس کی ہمت نہ تھی مگر اس روز جب ابا نے دفتر سے فون کیا تو میرے پاس کوئی راستہ نہ تھا کہ میں اماں کی خفگی کی پروا کیے بغیر اسے ہاسپٹل لے جاؤں۔

اس روز میں نے یونیورسٹی سے چھٹی کر لی تھی۔ دراصل میں بھی ذہنی طور پر ٹینس تھی۔گھر میں پھیلے

جامد سناٹے۔

اماں کی چپ

دعا کے آنسو

ذیشان کا غصہ

اور ابا کا دکھ

سب نے مل کر مجھے ٹینس کر دیا تھا۔ یونیورسٹی میں بھی میرا دماغ اس اچانک پیدا ہو جانے والی صورت حال کے متعلق سوچتا رہتا تھا۔ اور سب ہی اسے محسوس کر رہے تھے۔

میری فرینڈز اور میرے کلاس فیلوز حتیٰ کہ اس روز سر نیازی نے بھی مجھ سے

پوچھا۔

''اینی پرابلم مس ندا۔''

''نو ناٹ ایٹ آل''

میں نے فوراً ہی کہا تھا۔

اگر کوئی پرابلم ہو تو آپ مجھ سے ڈسکس کر سکتی ہیں۔''

وہ مہربان مسکراہٹ چہرے پر سجا کر پھر لیکچر دینے میں محو ہو گئے تھے اور میں نے آج چھٹی کر لی تھی۔

اور اس وقت بستر پر لیٹی فلک ناز کی طرف دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ یہ لڑکی کس قدر خوبصورت دلکش اور معصوم ہے......لیکن اس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا۔

وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی دل ہی دل میں شاید کوئی دعا مانگ رہی تھی۔ شاید اپنی امی کی زندگی کی دعا۔سفید دوپٹے کے ہالے میں چھپا اس کا چہرہ انتہائی پاکیزہ اور مقدس لگ رہا تھا۔

آخر اس سارے قصے میں اس کا کیا قصور ہے کہ سب ہی اسے مجرم سمجھ رہے ہیں اور اس سے نفرت کر رہے ہیں۔حتیٰ کہ دعا میرے کمرے میں آنا بھی گوارا نہیں کرتی مبادا اس پر نظر پڑ جائے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے دروازے کے باہر سے ہی پوچھا تھا کہ میں ابھی تک اٹھی کیوں نہیں ہوں اور کیا مجھے یونیورسٹی نہیں جانا۔

''نہیں' میرا موڈ نہیں ہے۔''

''طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' اس نے دروازے کے باہر سے ہی پوچھا۔

''ناشتہ تیار ہے' ہمارے ساتھ کرو گی یا۔'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''نہیں' ابھی میرا اٹھنے کا موڈ نہیں ہے۔''

میں نے ساتھ والے بیڈ پر سوئی ہوئی فلک ناز کو دیکھا۔ جو جانے رات کے کس پہر سوئی تھی۔ وہ یونہی دیر تلک جاگتی رہتی اور آنسو بہاتی رہتی تھی...... میں اکثر اس کے ساتھ ہی ناشتہ کرتی تھی۔ جب سے وہ آئی تھی۔ کبھی دعا وغیرہ کے ساتھ بھی ناشتہ کرتی تو اس کا ناشتہ بنا کر کمرے میں رکھ جاتی تھی۔

وہ ایک دن بھی ڈائننگ ٹیبل پر ہمارے ساتھ نہیں بیٹھی تھی۔

مجھے دعا کے رویے پر تھوڑا افسوس ہوا لیکن شاید وہ ابھی بچی ہی تو تھی۔ تھرڈ ایر کی طالبہ کی سوچ اتنی ہی ہو سکتی تھی کہ یہ لڑکی فلک ناز اس کے گھر میں زبردستی گھس آئی ہے۔ غاصب ہے اور دعا کے جانے کے کچھ دیر بعد ہی ابا کا فون آ گیا تھا۔

''ندا بیٹا!'' وہ بے حد پریشان لگ رہے تھے ''مہناز کی طبیعت اچانک بہت بگڑ گئی ہے۔ اور میں یہاں بہت اہم میٹنگ میں ہوں۔ ابھی ابھی ہاسپٹل سے فون آیا ہے وہ فلک ناز سے ملنا چاہتی ہے۔ پلیز بیٹا۔ میں فارغ ہوتے ہی ہاسپٹل آ جاؤں گا۔''

ان کا لہجہ ملتجی ہو گیا۔

''او کے ابا!'' میں بستر سے اٹھ کھڑی ہوئی اور فلک ناز کی طرف دیکھا۔

''فلک ناز! چلو جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ ہمیں ہاسپٹل جانا ہے۔''

''کیا!'' وہ ایک دم گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ''کیا امی...... کیا ہاسپٹل سے فون تھا۔''

اس کی آنکھیں یکدم آنسوؤں سے لبریز ہوئیں اور پھر چھلک پڑیں۔ ''نہیں'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''ابا کا فون تھا۔ تمہاری امی تمہیں دیکھنا چاہتی ہیں۔''

میں نے ہمیشہ اپنی ہم عمروں کی طرح اس کے ساتھ برتاؤ کیا تھا۔ اور کبھی اس کو اس رشتے کے حوالے سے نہیں دیکھا تھا۔ جو ابا کی طرف سے بنتا تھا۔

''میں اماں کو بتا کر آتی ہوں۔'' میرے دل کو جیسے کوئی ادراک ہو گیا تھا۔

اماں کچن میں تھیں۔ میں نے انہیں ساری بات بتا کر اجازت طلب کی۔

''ناشتہ تو کر جاؤ۔''

''نہیں اماں! آ کر کر لوں گی۔''

''شاید کچھ دیر ہو جائے۔''

اماں نے دو کپوں میں چائے بنا کر ٹرے میں رکھ دی اور ساتھ ہی پلیٹ میں آملیٹ...... اور دو سلائس بھی رکھ دیئے...... شاید وہ سب ابھی ابھی ناشتے سے فارغ ہوئے تھے۔ میں نے کسی قدر حیرت سے اماں کو دیکھا اور ٹرے اٹھا لی۔ فرج سے اپنے لیے پانی نکالتی دعا نے بھی مڑ کر اماں کو اور پھر مجھے دیکھا۔

''اب یہ ڈیوٹی بھی تم نے سنبھال لی ہے۔''

اس کا لہجہ تلخ تھا۔

''اور اماں! آپ کو کیا ضرورت تھی اس خوبصورت ناگن کے لیے چائے بنانے کی۔''

اماں اس کی بات کا جواب دیے بغیر سنک میں ہاتھ دھونے لگیں...... میں نے کچن ٹیبل سے گاڑی کی چابی بھی اٹھا لی۔ اور اماں کے رخساروں کو چوم لیا۔

''تھینک یو اماں!''

ابا کے پاس دفتر کی گاڑی تھی۔ اور یہ وائٹ مارگلہ ابا نے تین سال قبل لی تھی کہ بعض اوقات ابا کی عدم موجودگی میں اگر اماں کو کہیں جانا پڑتا تو بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔ ڈرائیور ایک دو بار رکھے تھے لیکن اتفاق ہوا کہ دونوں ہی چھوڑ گئے تو ابا نے مجھے ڈرائیونگ سکھا دی تھی...... اور اب تو شان بھی ڈرائیو کر لیتا تھا البتہ دعا گھبراتی تھی۔

فلک ناز کے ساتھ جب میں ہاسپٹل پہنچی تو کچھ دیر پہلے ہی مہناز کو آئی۔ سی۔ یو

سے باہر لایا گیا تھا...... وہ قدرے بہتر تھی پھر بھی ڈاکٹر نے ہمیں وہاں زیادہ دیر تک رکنے سے منع کر دیا تھا...... اور تاکید کی تھی ہم مریض کو ڈسٹرب نہ کریں...... مہناز بالکل فلک ناز کی طرح تھیں۔ اگرچہ بیماری نے انہیں بہت کمزور کر دیا تھا۔ ان کی رنگت مٹی کی طرح ہو رہی تھی۔ لیکن ان کی لانبی آنکھیں قدرے اونچی اٹھی ہوئی ناک۔ چھوٹے چھوٹے خم دار ہونٹ حتیٰ کہ نچلے ہونٹ کے دائیں کونے میں وہ ننھا سا سیاہ تل بھی بالکل مہناز جیسا تھا۔

فلک ناز نے بہت آہستگی سے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھا لیکن انہوں نے فوراً آنکھیں کھول دی تھیں اور اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لے کر ہونٹوں سے لگایا تھا اور پھر ان کی نظریں مجھ پر پڑی تھیں اور انہوں نے اشارے سے مجھے بلایا تھا۔

''دعا یا ندا!'' انہوں نے بالکل فلک ناز کی طرح ہی میرے ہاتھوں کو پکڑ کر ہونٹوں سے لگایا۔

''ندا!'' میں نے مسکرانے کی کوشش کی تھی لیکن حقیقتاً میرا دل پانی پانی ہو رہا تھا۔

''بیٹا! ادھر آؤ۔ یہاں آ کر بیٹھ جاؤ میرے پاس۔''

ان کی آواز میں گو نقاہت تھی لیکن وہ بہت مضبوط تھی۔

''اماں کیسی ہیں تمہاری!''

''اچھی ہیں' آپ کو پوچھ رہی تھیں۔''

''بیٹا! ان سے کہنا' میری زیادتی کو معاف کر دیں۔ ہو سکے تو۔ میں آپ لوگوں کے ساتھ بڑی زیادتی کی لیکن میرے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا۔ میں بھیڑیوں کے غول میں فلکی کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اور میں خود غرض ہو گئی تھی شاید۔''

ان کی آواز ایک دم اتنی آہستہ ہو گئی تھی کہ مجھے سماعت پر اچھا خاصا زور دینا پڑ رہا

تھا۔

''تم سب بہن بھائی مجھے معاف کر دینا۔ اور اپنی اماں سے بھی میری سفارش کرنا۔''

ان کی آواز ایک دم گر گئی اور میرا ہاتھ ان کے ہاتھ سے چھوٹ گیا لیکن ان کی آنکھیں میری سمت ہی لگی تھیں۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں کسی کو بھی آپ سے گلہ نہیں ہے۔'' میں نے انہیں تسلی دی۔

''بعض اوقات آدمی حالات کے ہاتھوں میں کھیلنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ آپ مطمئن رہیں فلک ناز ہمیں بہت عزیز ہے۔ اماں وغیرہ دراصل اس لیے ہاسپٹل نہیں آتے کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ آپ کے محلے سے بھی لوگ آپ کو دیکھنے آتے ہوں گے۔ اور وہ کیا کہیں گے۔ آپ کیا کہیں گی' ان کے استفسار پر کہ ہم کون ہیں۔''

مجھے بروقت سوجھ گئی تھی۔ میں ایک مرتی ہوئی عورت کو ہر ممکن سکون بہم پہنچانا چاہتی تھی۔ فلک ناز نے تشکر نظروں سے مجھے دیکھا۔ مہناز کی آنکھوں میں لمحہ بھر پہلے والی بے یقینی معدوم ہو گئی اور ان میں ایک سکون سا پھیل گیا...... وہ مجھ سے نظریں ہٹا کر فلک ناز کو دیکھنے لگیں۔ کیسی حسرت تھی اس نظروں میں۔ کیسا کرب تھا۔

میرا دل کٹنے لگا۔ میں ایک طرف ہٹ کر اسٹول پر بیٹھ گئی اور فلک ناز ان کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ مہناز نے جیسے تھک کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کتنی ہی دیر یونہی خاموشی سے بیٹھے گزر گئی اس دوران دو تین بار نرس نے آ کر ان کی نبض وغیرہ چیک کی تھی اور پھر ایک ترحم بھری نظر فلک ناز پر ڈال کر چلی گئی تھی۔ شاید

وہ جانتی تھی کہ فلک ناز اس موت کے دہانے پر کھڑی عورت کی بیٹی ہے۔ میں نے ایک بار سوچا کہ میں فلک ناز کو چھوڑ کر چلی جاؤں اور ابا کو بتا دوں۔ آخر میں یہاں کس ناتے سے بیٹھی ہوں...... شام کو ابا خود ہی اسے گھر لے آئیں گے۔ لیکن میرے اندر چھپے نیکی کے کروموسوم سیلز ابھی اتنے کمزور نہیں ہوئے تھے۔

اس کی مرتی ہوئی ماں کے پاس اسے اکیلا چھوڑنا مجھے انتہائی غیر انسانی لگا۔ حالانکہ دیکھا جائے تو میرا اس سے انتہائی ناپسندیدہ رشتہ تھا لیکن چونکہ میں اس رشتے کی نوعیت سے آگاہ تھی' اس لیے میرے لیے وہ ایک ناپسندیدہ ہستی کے بجائے محض ایک مظلوم لڑکی تھی جس کے ساتھ اچھا نہیں ہوا تھا۔ وہ بلا خطا مجرم بن گئی تھی۔

ابھی تک جس کے حصے میں صرف نقصان ہی نقصان آئے تھے کچھ دیر بعد ابا بھی آ گئے۔ وہ بے حد پریشان لگ رہے تھے۔ انہوں نے مہناز کے بیڈ کے قریب جا کر جھک کر اسے دیکھا تھا اور پھر فلک ناز سے پوچھا تھا کہ ڈاکٹر کب چیک کر کے گیا ہے۔

''ڈاکٹر تو نہیں البتہ ابھی کچھ دیر پہلے ایک نرس آئی تھی۔''

ابا سر ہلا کر اور مجھ پر ایک تشکرانہ نظر ڈال کر باہر نکل گئے۔ شاید ڈاکٹرز سے صورت حال کے متعلق پوچھنے گئے تھے...... ابا کے جاتے ہی دو خواتین غالباً ان کے پرانے محلے سے مزاج پرسی کرنے آئی تھیں۔ یہ لوگ غالباً حق ہمسائیگی نبھا رہے تھے۔

انہوں نے فلک ناز کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اشارے سے مہناز کی طبیعت کا حال پوچھا اور پیچھے ہٹ کر میرے قریب پڑے دوسرے اسٹول پر بیٹھ گئی اور دوسری یونہی کھڑی رہی۔

''یہ'' اس نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے فلک ناز سے پوچھا۔

''یہ ان کی......''

فلک ناز کی زبان لڑکھڑا گئی۔

''اچھا اچھا نند ہے تمہاری' ماشاءاللہ بڑی پیاری ہے۔''

فلک ناز نے بے چین ہو کر مجھے دیکھا لیکن میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اشارہ کیا ''ڈیٹس او کے۔''

''بیٹی! تم لوگوں کے دلوں میں ارمان تو بہت ہوگا بھائی کی شادی کا...... لیکن اللہ کی مصلحتیں' ویسے ماشاءاللہ جوڑی خوبصورت ہے۔''

خاتون نے مجھ سے ہمدردی کرنے کے بعد تعریف کی۔

''لگتا ہے جیسے دونوں کو ایک دوسرے کے لیے ہی بنایا گیا ہو۔''

میں نے فلک ناز کی طرف دیکھا تو ایک لمحہ کے لئے مجھے گمان گزرا کہ اس کے رخسار گل رنگ ہو گئے ہوں' لیکن دوسرے ہی لمحے یہ شفق معدوم ہو گئی۔ تب ہی ابا ڈاکٹر کے ساتھ اندر داخل ہوئے۔ دراصل مہناز غنودگی میں تھیں اور ہم لوگ سمجھ رہے تھے کہ سو گئی ہیں۔ لیکن ابا نے آتے ہی محسوس کر لیا تھا۔

میں نے نگاہیں اٹھا کر ابا کی طرف دیکھا۔

اتنے دنوں کی بے آرامی تھکن اور ذہنی پریشانی کے باوجود ابا بہت شاندار لگ رہے تھے۔

ان کے بھرے بھرے چہرے پر صحت کی سرخی تھی۔

دراز قد کے ساتھ بڑی بڑی آنکھیں

کشادہ پیشانی

گندمی رنگت

وہ واقعی فلک ناز کے ساتھ کھڑے ہوئے اس کے ساتھ سج رہے تھے۔ ان کی عمر

تقریباً چالیس سال تھی۔ ان کی شادی بیس سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ مگر چالیس سال کی عمر میں وہ تیس سال کے ہی لگتے تھے۔ بلکہ شروع شروع میں جب ایک دوبار وہ مجھے یونیورسٹی ڈراپ کرنے گئے تو لڑکیوں نے انہیں میرا بڑا بھائی سمجھا تھا۔ میری شکل بھی ان سے خاصی مشابہ تھی۔ اور جب میں نے گھر آ کر یہ بات بتائی تھی تو ابا بہت دیر تک اماں کو چھیڑتے رہے تھے۔ اماں کی عمر شادی کے وقت پندرہ برس کی تھی۔ یوں اس وقت وہ بھی پینتیس سال کی تھیں صرف۔ لیکن زندگی میں چونکہ کوئی دکھ نہ تھا۔ خوشی اور سکون تھا۔ اس لئے اگر وہ بھی کسی کو نہ بتاتیں کہ وہ میری امی ہیں تو انہیں بڑی بہن ہی سمجھا جا سکتا تھا......

اور مرد کی چالیس سال تو کوئی عمر نہیں ہوتی۔ آج کل تو اکثر مرد اس عمر میں پہلی شادی کرتے ہیں۔ ابھی کچھ دن پہلے میری ایک فرینڈ کے ماموں کی شادی ہوئی تھی اور ان کی عمر تقریباً چالیس سال ہی تھی۔

ڈاکٹر کے چیک کرتے کرتے اچانک ہی مہناز کا سانس اکھڑنے لگا تھا۔ اور ایک بار پھر ان کو آئی۔ سی یو میں لے جایا گیا۔ ابا نے چپکے چپکے ان خواتین سے کچھ کہا اور وہ باری باری فلک ناز۔ کو گلے لگانے کے بعد رخصت ہو گئیں۔ پھر ابا میری طرف مڑے۔

''ندا! تم اگر جانا چاہو تو......''

''نہیں ابا! میں بھی یہاں ہوں۔''

اس سے ابا مجھے بہت اکیلے اور تنہا لگے۔ کاش اماں اس وقت ابا کے ساتھ ہوتیں......تو ابا اس ساری صورت حال کا بڑی بہادری سے مقابلہ کرتے اور پھر ایک دن ہم سب مل کر فلک ناز کو کسی بہت اچھے لڑکے کے ساتھ رخصت کر دیتے بلکہ مجھے فوراً ہی اس رشتے کا خیال آ گیا تھا جو اس واقعے سے چند دن پہلے اماں کی ایک جاننے والی

میرے لئے لائی تھیں۔ اور ابھی اماں نے ابا سے کوئی بات ہی نہ کی تھی کہ یہ واقعہ ہو گیا۔ میں تو ابھی پڑھ رہی تھی اور مجھے شادی سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔ میں اماں سے کہتی کہ وہ رشتہ اگر اچھا ہے تو ہم فلک ناز کی شادی کر دیتے ہیں اس سے اور پتا نہیں ہمارا یہ عمل اللہ کو کتنا پسند آتا۔ کہ اللہ اپنے بندوں سے بہت محبت کرتا ہے اور اپنے بندوں سے محبت کرنے والوں کے لیے اپنی رحمت کے دروازے کھولے رکھتا ہے۔

لیکن ابا کو بہت سمجھنے والی اماں نے ان مشکل لمحوں میں ابا کو تنہا کر دیا تھا اور ان کے حوصلے پست کر دیئے تھے۔

انہوں نے اپنے قدم پیچھے تو نہیں ہٹائے تھے۔ مہناز کا پہلے کی طرح ہی خیال رکھ رہے تھے۔ لیکن ان کے کندھے ڈھلک گئے تھے اور ان کی پیشانی پر دلی اور اندرونی تھکن کی دھول آ بیٹھی تھی۔

''اور تمہاری اماں؟'' ابا نے سوالیہ نظروں سے مجھے دیکھا۔ ''کیا وہ خفا نہیں ہوں گی۔''

''نہیں' میں ان سے اجازت لے کر آئی ہوں بلکہ۔''

میں نے ان پریشانی ہلکی کرنے کے لیے مسکرا کر انہیں دیکھا۔

''آتے ہوئے اماں نے اپنے ہاتھوں سے مجھے اور فلک ناز کو چائے بنا کر دی ہے۔''

ایک لمحہ کے لیے ابا نے بے یقینی سے مجھے دیکھا۔

''شیور ابا!'' میں نے انہیں یقین دلایا تو ان کی آنکھوں میں یکدم روشنیاں سی لو دے اٹھیں ایک آس ایک امید۔ ایک یقین کی روشنی۔

پل کے پل ان کے چہرے کے رنگ بدل گئے۔ آنکھوں کے موسم تبدیل ہو

گئے۔ وہاں امید کے پھول پتے لہرا اٹھے تھے۔

وہ یوں کھل اٹھے تھے جیسے ایک یقینی موت زندگی میں بدل گئی ہو۔

''مہناز شاید نہ بچیں۔'' انہوں نے مجھے بتایا ''ڈاکٹرز کا خیال ہے چند گھنٹے
پھر بھی وہ اپنی سی کوشش کر رہے ہیں۔ تم اماں کو فون کر کے بتا دو وہ پریشان ہو رہی
ہوں گی۔''

''ہاں!'' میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ واقعی مجھے خیال نہیں آیا تھا۔

ابا سے فون کارڈ لے کر میں کمرے سے باہر نکل کر چند قدم ہی چلی تھی کہ ابا نے
مجھے آواز دی۔

''ندا بیٹا! سنو ابھی ابھی سسٹر نے بتایا ہے کہ وہ رخصت ہو گئی ہے۔''

میں نے رک کر اندر کمرے میں جھانکا۔

فلک ناز ساکت بیٹھی تھی۔ میں نے سوچا' اس کے پاس جاؤں لیکن پھر میں اماں کو
فون کرنے چل دی۔

اماں نے خاموشی سے سنا' باوجود کوشش کے میں ان سے نہ پوچھ سکی کہ کیا وہ مہناز
کے گھر آئیں گی۔ مجھے پتا تھا یہ ناممکن ہے۔

''ابا اکیلے ہیں اور فلک ناز بھی۔ میں یہاں سے ابا کے ساتھ جاؤں گی۔ آپ فکر نہ
کیجئے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے فون بند کر دیا اور میں فلک ناز کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور
ابا ضروری امور اور بلز وغیرہ ادا کرنے میں مصروف تھے اور فلک ناز مہناز کے بیڈ کی پٹی
پر سر رکھے رو رہی تھی بے آواز اور مہناز کا وجود سفید چادر سے ڈھکا تھا۔

اسے جانا تو تھا ہی لیکن کم از کم میرے آ جانے سے اسے فلک ناز کی طرف

سے اطمینان ہو گیا تھا اور موت کے بعد بھی یہ سکون اس کے چہرے پر دکھائی دے
رہا تھا۔

''فلک ناز!'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''ندا! ندا! میری امی۔''

وہ پٹی سے سر اٹھا کر مجھ سے لپٹ گئی اور میری آنکھیں بھی آنسوؤں سے بھر گئیں
اور میں نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

آج اتوار تھا اور میں ناشتے کے بعد کچن میں گھس گئی تھی اور اب اکرام کے سا
مغز کھپا رہی تھی اکرام کام تو کرتا تھا لیکن سوال کر کر کے تنگ کر کے رکھ دیتا تھا۔ اب
پیاز چھیلتے ہوئے وہ مسلسل بول رہا تھا۔ جس سے میرا ارتکاز بار بار ٹوٹ جاتا تھا۔

''تم کچھ دیر زبان بند کر کے نہیں بیٹھ سکتے۔''

میں نے اسے ڈانٹ دیا۔

میں چاہتی تھی کہ جلد از جلد کام ختم کر کے فلک ناز کے ساتھ مارکیٹ کا ایک چکر
آؤں۔ دراصل ابا نے دو تین دن پہلے مجھ سے کہا تھا کہ کسی دن ذرا وقت نکال کر فلک
ناز کے ساتھ مارکیٹ چلی جاؤں اور گرمیوں کے کپڑے لے آؤں۔ موسم بدل رہا تھا
اور فضا میں اچھی خاصی تپش تھی حالانکہ ابھی اپریل کا اسٹارٹ ہی تھا۔ دراصل فلک نا
کے پاس اس موسم کے لائق پہننے کے لیے کوئی کپڑا نہیں تھا اور اس کا خیال ابا کو ہی آ
[illegible] اکثر مجھے یونیورسٹی سے دیر ہو جاتی تھی اور پھر میں اتنی تھک جاتی تھی ک

ہمت ہی نہ ہوتی اور میں نے سوچا تھا کہ میں اتوار کو ضرور فلک کے ساتھ مارکیٹ جاؤں گی لیکن آج صبح سے ہی اماں کی طبیعت ٹھیک نہ تھی۔ ہلکا ٹمپریچر اور سر درد تھا۔ اس لیے میں نے سوچا تھا کہ ناشتے کے ساتھ ہی سالن تیار کر دوں۔ پھلکے بعد میں اکرام بناتا رہے گا۔

''ابا کیا سوچیں گے کہ اتنے دنوں سے انہوں نے مجھے کہہ رکھا ہے اور۔''

دراصل جب سے مہناز کی ڈیتھ ہوئی تھی اور فلک ناز ان کے سوئم کے بعد ادھر آئی تھی۔ میں نے ابا کو اس سے بات کرتے نہیں دیکھا تھا مہناز کے پراویڈنٹ اور دوسرے واجبات کے کاغذات پر بھی ابا نے میری معرفت اس سے دستخط کروائے تھے۔ لیکن ابا اس سے غافل نہیں تھے شاید۔ تب ہی چند دن قبل میں یونیورسٹی سے آئی تو انہوں نے مجھے اپنے کمرے میں بلایا اور کچھ رقم دی۔

''ندا بیٹے! فلک ناز کے لیے کچھ کپڑے لے آؤ۔ شرعی اور قانونی طور پر فی الحال وہ میری ذمہ داری ہے۔''

وہ کچھ شرمندہ سے ہو گئے۔

''میں نے چار گواہوں کی موجودگی میں اس کی ذمہ داری قبول کی ہے اور مجھ سے اس کے لیے اللہ کے ہاں باز پرس بھی ہو سکتی ہے۔ یوں وہ بخشنے والا اور مہربان ہے اور نیتوں کا حال جانتا ہے۔''

''سوری ابا! مجھے خود اس کا خیال کرنا تھا۔''

میں شرمندہ ہو گئی۔

''نہیں، تم کیا کیا خیال کرو گی۔ اپنی پڑھائی بھی تمہیں کرنا ہوتی ہے اور ندا! میں تمہارا بہت ممنون ہوں بیٹا! تم نے بہت ساتھ دیا میرا۔''

ان کی آواز بھرا گئی۔

''دیٹس او کے ابا!''

''فلک ناز کا بھی خیال رکھا کرو۔ بہت اکیلی ہے وہ۔ مسز برنی سے نے وعدہ کیا ہے کہ بہت جلد وہ آئیں گی۔ ادھر ایک لڑکا ہے ان کی نظر میں۔ ڈاکٹر ہے۔''

''سچ ابا!'' میں بے حد خوش ہو گئی تھی۔'' مہناز کی وفات کے بعد سے تو فلک ناز بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ میں بات کرتی تو جواب دے دیتی ورنہ خاموش ہی رہتی۔ وہ بدستور میرے کمرے میں رہ رہی تھی۔ اماں بڑے کمرے میں۔

اور ابا اپنے بیڈروم میں تنہا۔

اگرچہ اماں اب بھی ابا سے بات نہیں کرتی تھیں لیکن ان کے چہرے کی وہ پتھریلی سختی ٹوٹ گئی تھی۔ وہ اکثر کھانا ہمارے ساتھ کھا لیتی تھیں۔

فلک ناز کمرے میں کھانا کھاتی تھی۔

میں نے ایک بار اس سے کہا بھی تھا کہ وہ ہمارے ساتھ ٹیبل پر کھانا کھائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔

''پلیز ندا! مجھے اس کے لیے مجبور نہ کرو۔ میں تمہاری اماں سے نظریں نہیں ملا سکتی۔ مجھے دعا اور شان کے ناراض چہروں سے خوف آتا ہے۔ میں شرمندہ ہوتی ہوں ان سے۔ میں نے تم لوگوں کی خوب صورت دنیا کا سکون تہ و بالا کر دیا ہے اور اب میں نہیں چاہتی کہ تم لوگ سکون سے کھانا بھی نہ کھا سکو۔''

میں نے محسوس کیا تھا۔ وہ بہت ذہین' بہت حساس اور بہت اچھے دل کی ہے۔

میں مہناز کے سوئم تک فلک ناز کے ساتھ اس کے گھر رہی تھی اور اس کے محلے والوں کے خلوص سے متاثر بھی ہوئی تھی لیکن میں نے کسی عورت سے بات نہیں کی تھی۔

یہی لوگ تو تھے جنہوں نے شک کے بھالے مار کر ابا کو پابند کر دیا تھا۔ میں نے سنا تھا کئی عورتوں کو فلک ناز سے کہتے کہ تمہاری نند بہت مغرور ہے۔

سوئم کے بعد ابا نے فلک ناز سے کہا تھا کہ وہ ضروری سامان لے لے اور گھر خالی کر دے۔ غیر ضروری سامان ابا نے محلے کے ایک بزرگ سے کہا تھا کہ کسی مستحق کو دے دیں یا جو بھی مناسب سمجھیں۔

اماں نے مجھے تین دن وہاں اس کے ساتھ رہنے پر کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ بلکہ واپس آنے پر مزید دو دن چھٹی کر لینے کو کہا تھا۔ اگرچہ انہوں نے وضاحت نہیں کی تھی لیکن میں جان گئی تھی کہ ایسا اماں نے فلک ناز کے لیے کیا ہے۔ یقیناً وہ اس کے دکھ کو محسوس کر رہی ہیں اور یہ بڑی خوش آئند تبدیلی تھی جو اماں میں رونما ہوئی تھی۔ میں نے ابا کو بتایا تو ان کی آنکھیں لو دے اٹھیں۔

''تمہاری اماں بہت اچھی ہیں اور بہت بڑے دل کی ہیں' بس غلطی مجھ سے ہی ہو گئی۔ میں مہناز سے ذرا سی مہلت لے کر گھر آ جاتا تو شاید تمہاری اماں کوئی راہ نکال لیتیں یا کوئی راہ نہ ہی نکال سکتیں تو۔ مجھے یقین ہے' ایک روز وہ مجھے معاف کر دے گی اور اس کے لیے مجھے اپنے بیٹے کی زبردست شفارش کی ضرورت ہو گی۔''

''شیور ابا!''

شان اور دعا نے بھی ابا سے بات کرنا شروع کر دیا تھا اگرچہ وہ فلک ناز سے نہیں بولتے تھے لیکن مہناز کی وفات نے ان کے دلوں میں نرمی بھر دی تھی اور پھر وہ ایک ماہ سے دیکھ رہے تھے کہ فلک ناز کتنی بے ضرر اور معصوم تھی۔

''باجی! یہ آپ نے چکن میں گھی زیادہ نہیں ڈال دیا۔''

''اکرام نے مجھے ٹوکا تو میں نے چونک کر اسے دیکھا۔

''اور یہ کوفتوں کے لیے۔''

''اکرام میں نے تمہیں کیا کہا تھا۔ اپنے کام سے کام رکھو۔''

''وہ جی میں نے جس شیف کے ساتھ دو ماہ کام کیا تھا۔ وہ ہر ملک کے کھانے بنا سکتا تھا اور بہت دور دور سے۔''

اور میرے گھور کر دیکھنے پر وہ فوراً جھک کر پیاز کاٹنے لگا۔ میں نے جھانک کر باہر دیکھا۔

ابا برآمدے میں بچھی کرسی پر بیٹھے اخبار دیکھ رہے تھے۔ اماں کا تخت خالی تھا۔ اور جب ابا چھٹی والے دن یہاں بیٹھ کر اخبار دیکھتے تو اماں تخت پر بیٹھی اکرام کے ساتھ مل کر سبزی کاٹتی تھیں اور گاہے گاہے ابا ان پر فقرے چست کرتے جاتے تھے لیکن اس وقت اماں تخت پر نہیں تھیں۔ میں نے دیکھا' اخبار پڑھتے پڑھتے گاہے گاہے تخت پر نظر ڈال لیتے تھے۔ لیکن ان کے چہرے پر اب وہ پچھلے دنوں کی تھکن نہیں تھی بلکہ ہلکا سا اطمینان دکھائی دیتا تھا۔

صبح ناشتے پر میں نے جب ابا کو بتایا تھا کہ اماں کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے تو وہ بے چین سے ہو کر بڑے کمرے میں آ گئے تھے۔ میں اسی وقت اماں کے لیے چائے لے کر آئی تھی۔ ابا اماں کا حال انتہائی دردمندی سے پوچھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے ان کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر شاید حرارت محسوس کی تھی۔ میں نے دیکھا تھا، اماں نے اگرچہ زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن ان کی آنکھوں کی سطح گیلی ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے فوراً آنکھیں بند کر کے کروٹ بدل لی تھی۔

ابا کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی اور پھر معدوم ہو گئی تھی۔

''ندا! اپنی اماں کو چائے کے ساتھ کوئی ٹیبلٹ دے دو۔ سر درد کے لیے اور اگر

ضروری ہو تو ڈاکٹر کے پاس لے چلو۔ میں گاڑی نکالتا ہوں۔''

''نہیں ندا! ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا' معمولی حرارت ہے۔''

اماں نے آنکھیں بند کیے کیے ہی کہا اور ابا نے میری طرف دیکھا مسکرائے اور وکٹری کا نشان بنایا اور باہر جاتے جاتے میرے کانوں میں سرگوشی کی۔

''تمھاری اماں کو منانا مشکل تو ہو گا لیکن ناممکن نہیں' بس ذرا مسز برنی اس لڑکے سے ملاقات کروا دیں۔ میں آج پھر انہیں فون کر کے یاددہانی کرواتا ہوں۔''

میں بھی مسکرا دی اور ان کے جانے کے بعد اماں کو آواز دی۔

''اماں! اٹھیں چائے لے لیں اور ایک سلائس لے کر یہ ڈسپرین لے لیں۔'' اماں کی عادت تھی کہ وہ ڈسپرین کے علاوہ اور کچھ نہیں لیتی تھیں۔

اماں چائے پینے لگیں تو میں ان کے سامنے ہی بیٹھ گئی اور انہیں بتایا کہ میں آج فلک ناز کو ساتھ لے کر مارکیٹ تک جاؤں گی کہ اس کے پاس اس موسم کے لائق پہننے کو کوئی کپڑا نہیں ہے۔''

انہوں نے سر ہلا دیا لیکن پھر کچھ دیر بعد بولیں۔

''ندا! یہ سب کب تک یوں ہی رہے گا۔ اس لڑکی کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ اپنے ابا سے کہو کہ اس کا حق اسے دیں۔ روزِ محشر پرستش ہوئی تو۔''

''اماں!'' میں نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

''میں آپ کو ساری بات بتا چکی ہوں۔ اک دو روز تک مسز برنی ایک لڑکے سے ابا کو ملانے والی ہیں۔ وہ ڈاکٹر ہے اور ابا کہہ رہے ہیں اچھا لڑکا ہے۔ اگر ان لوگوں نے فلک ناز کو پسند کر لیا تو ابا فلک ناز کو طلاق دے دیں گے اور پھر عدت گزار کر فلک ناز کی رخصتی کر دیں گے۔ اماں پلیز۔''

میں نے ہولے سے ان کا ہاتھ دبایا۔

''اماں پلیز' ابا کو معاف کر دیں۔ وہ آپ سے بے حد محبت کرتے ہیں اور وہ ایک بڑے آدمی ہیں۔ انہوں نے بڑی اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ بڑے حوصلے کی بات ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل پسند آیا ہوگا۔''

اماں ہولے ہولے چائے کے سپ لیتی رہیں اور میں ان کے چہرے کی ملاحت میں وہی گرمی دیکھتی رہی جو ان کی ذات کا حصہ تھی۔

چائے پی کر انہوں نے کپ ٹرے میں رکھا۔

آج کوفتے بنالینا۔ صبح نماز کے بعد میں نے قیمہ نکال دیا تھا۔

''ابا کو کوفتے بہت پسند تھے اور شان کو بھی۔

''جی اماں! میں کھانا پکا کر ہی مارکیٹ جاؤں گی۔

''اور یہ مسز برنی کب آنے کو کہہ رہی ہیں؟''

میں ٹرے اٹھانے کو جھکی تو اماں نے پوچھا۔

''جلد ہی۔ ابا آج انہیں فون کرنے کو کہہ رہے تھے۔''

میں نے جھک کر ان کے رخساروں پر بوسہ دیا۔ جب مجھے اماں پر بہت پیار آتا تو میں یونہی انہیں چوم لیا کرتی تھی اور اس وقت مجھے اماں پر بہت پیار آیا تھا اور اب کچن میں کام کرتے ہوئے میں مسلسل سوچ رہی تھی کہ جب فلک ناز اس گھر سے چلی جائے گی تو پھر ہم سب کہیں باہر جائیں گے آؤٹنگ کے لیے۔ کسی بہت اچھی جگہ پر اور پھر اتنے مہینوں کی تھکن اور ٹینشن وہاں ہی پھینک کر فریش ہو کر آئیں گے اور ایک بار پھر سب کچھ ویسا ہی پہلے جیسا ہو جائے گا۔

ابا کی شوخی۔

اماں کی متانت اور دبے دبے مسکرانا۔

شان اور دعا کی شرارتیں سب کچھ پلٹ آئے گا اور ہم سمجھیں گے کہ درمیان میں یہ چند ماہ ہماری زندگیوں میں آئے ہی نہیں تھے۔ اگرچہ میں اس گھر میں وہ واحد فرد تھی جو اس ساری صورت حال سے بظاہر سب سے کم متاثر نظر آتی تھی۔ لیکن درحقیقت ایسا نہیں تھا۔ میں نے اس مسئلے کی وجوہات کو قبول تو کر لیا تھا لیکن یونیورسٹی میں میری کارکردگی بتا رہی تھی کہ اندر کہیں کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ اگرچہ میں اپنی طرف سے بہت کوشش کرتی تھی کہ پڑھائی پر اپنی پوری توجہ دوں۔ اب جبکہ میرے پر پولیس کے فائنل میں صرف تین ماہ رہ گئے تھے۔ سو ان ساری خوش آئندہ باتوں نے مجھے ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ میں کام کرتے ہوئے ہولے ہولے گنگنا رہی تھی۔

''آپ تو جی بہت اچھا گاتی ہیں۔'' اکرام اپنی رائے دینے سے کسی بھی معاملے میں کبھی باز نہیں آتا تھا۔ اسے ہمارے گھر آئے چار سال سے زیادہ ہی ہو گئے تھے۔

''آپ ٹی وی پر جا کر کیوں نہیں گاتیں ایمان سے بہت اچھا لگے گا۔ اور یہ جو آپ کی سہیلی ہیں۔''

اس نے میرے گھورنے کا ذرا اثر نہیں لیا تھا اور مسلسل بول رہا تھا۔

''یہ ہیں تو بہت خوب صورت لیکن یہ کمرے سے باہر کیوں نہیں نکلتیں اور ہر وقت روتی کیوں رہتی ہیں۔''

''اس کی امی فوت ہو گئی ہیں نا اس لیے اداس ہے وہ۔''

میں نے نرمی سے اسے مطمئن کیا۔

''اور کیا یہ ہمیشہ یہاں ہی رہیں گی۔''

''نہیں' چلی جائیں گی چند ماہ تک۔''

لیکن بعض اوقات ایسا کبھی نہیں ہوتا جو ہم سوچتے ہیں' ہمارے سارے پلان اور منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ اوپر آسمانوں پر ہمارے لیے کچھ اور ہی لکھا ہوتا ہے اور ہم اس بات سے قطعی بے خبر ہوتے ہیں اور ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ میں' ابا اور اماں جو سوچ رہے تھے ویسا نہیں ہو سکتا تھا۔

اس روز اماں بڑے دنوں بعد تیار ہوئی تھیں اور انہوں نے ہلکا ہلکا میک اپ کیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ ابا کی نگاہیں بار بار اماں کی طرف اٹھ رہی تھیں۔

دراصل مسز برنی نے لڑکے والوں کو لے کر آنا تھا۔ لڑکے کے والدین وفات پا چکے تھے۔ ایک بہن تھی۔ جو شادی شدہ تھی۔ لڑکے نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ملک سے باہر گزارا تھا۔ ملک میں کوئی تھا نہیں اس لیے کبھی کبھار ہی پاکستان آتا تھا اور بہن کے پاس چند دن رہ کر چلا جاتا۔ اب کے وہ بہن سے ملنے آیا تو بہن نے اسے گھیر لیا اور شادی کے لیے رضامند کر کے ہی چھوڑا۔ اس کی عمر تقریباً بتیس چونتیس سال تھی۔ یہ ساری باتیں مسز برنی نے ابا کو بتائی تھیں' ابا نے مجھے بتائی تھیں اور میں نے من و عن اماں کو بتادی تھیں۔

''شام کو مسز برنی آئیں گی۔ لڑکا اور اس کی بہن بھی ساتھ ہوں گی۔''

میں نے اماں کو بتا کر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''میں۔ مجھے کیا کرنا ہوگا اماں! ابا اکیلے ہی تو انہیں انٹرٹین نہیں کریں گے نا۔''

میں کچھ پزل ہو رہی تھی۔

''تم رہنے دو۔ میں دیکھ لوں گی۔'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''اماں! میری پیاری اماں! میری سویٹ سی اماں یو آر گریٹ۔''

میں نے ان کے رخساروں پر بوسہ دیا اور باہر بھاگ گئی۔ لیکن جاتے جاتے میں نے اماں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کو کھیلتے دیکھ لیا تھا۔

اور جب میں نے فلک ناز کو یہ سب کچھ بتایا تو اس نے بے حد حیرت سے مجھے دیکھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں یکدم حیرت منجمد سی ہو گئی تھی اور پھر اس کا چہرہ سفید پڑ گیا اور آنکھوں کے کٹورے پانیوں سے بھر گئے۔

''تو کیا ابا نے اسے نہیں بتایا تھا کہ ان کا کیا ارادہ ہے اور کیا وہ۔''

''فلک ناز!'' میں نے بے حد محبت سے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''ابا کہہ رہے ہیں۔ وہ لڑکا بہت اچھا ہے اور پھر ابا کوئی یوں ہی تو تمہیں کنویں میں نہیں پھینک دیں گے۔ پوری تحقیق کروائیں گے۔ آخر تم ان کی ذمہ داری ہو۔ ڈرو مت پلیز' وہ اس وقت جو کچھ ہوا تھا۔ محض وقت کا تقاضا تھا۔ مصلحت تھی۔ لیکن تم جانتی ہونا۔ اس سے تمہارا کوئی نقصان نہیں ہوا۔''

ہاں ابا کا نقصان ہو گیا تھا بہت بڑا'' میں نے دل میں سوچا۔

لیکن یقیناً اس شادی سے اس نقصان کی تلافی ہو جائے گی۔

وہ نگاہیں جھکائے گود میں دھرے اپنے ہاتھوں کو دیکھتی رہی جو ہولے ہولے لرز رہے تھے۔ پھر اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر اس کے ہاتھوں پر گرے۔ تو میں نے

ہاتھ بڑھا کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

''ڈرو نہیں فلک ناز! انشاء اللہ اس زیادتی اور اس دکھ کی تلافی ہو جائے گی جو وقت نے اچانک تمہاری جھولی میں ڈال دیا ہے۔ دیکھنا ہم بڑی دھوم دھام سے تمہاری شادی کریں گے۔ تم باقاعدہ دلہن بنو گی۔ تمہارے ہاتھوں پر مہندی لگے گی اور تمہاری امی کی روح وہاں اوپر بہشت میں کتنی خوش ہوگی تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔''

میں نے اسے اس دکھ سے نکالنے کی کوشش کی جو اچانک اس پر آ پڑا تھا۔

اور پھر یہ گھر۔ اسے ہمیشہ اپنا گھر سمجھنا۔ اس کے دروازے ہمیشہ تمہارے لیے کھلے رہیں گے۔ ایک بار تم اس صورت حال سے نکل آؤ۔ پھر دیکھنا سب لوگ کتنے اچھے ہیں۔ دعا کتنی محبت کرنے والی ہے اور شان کتنا پیارا بھائی ہے اور اماں کا دل تو شفقتوں کا خزانہ ہے۔ تم دیکھنا تو فلک ناز۔''

میں بہت دیر تک اسے بہلاتی رہی پھر اکرام مجھے بلانے آ گیا۔

اماں نے مجھے بلایا تھا کہ میں شامی کبابوں کے لیے قیمہ پیس دوں۔ میں اس کے ہاتھوں پر پیار کر کے کچن میں آ گئی اور اماں کے ساتھ مصروف ہو گئی۔

شام کو مہمانوں کے آنے سے کچھ پہلے میں نے خود فلک ناز کو تیار کرایا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود میں نے اس کا ہلکا ہلکا میک اپ کر دیا تھا اور وہ بے حد خوب صورت لگ رہی تھی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ شاید وہ سارا وقت روتی رہی تھی۔ نیچرل بات تھی کہ اس وقت اسے اپنی امی بہت یاد آ رہی ہوں گی۔

''اب رونا بالکل نہیں اور پتا ہے تم اس وقت اتنی پیاری لگ رہی ہو کہ مجھے شان پر غصہ آ رہا ہے کہ وہ اتنا بڑا کیوں نہیں ہے کہ ابا کو۔''

اس کا چہرہ یونہی سپاٹ رہا اور میں مسکرا مسکرا کر اسے یوں چھیڑتی رہی۔ جیسے وہ ابا

کے ساتھ نکاح کے بعد اس گھر میں نہیں آئی تھی بلکہ میری کوئی بہت پیاری سہیلی یا بہن تھی اور اس کے سسرال والے اسے دیکھنے آ رہے تھے۔

"فلک ناز!" میں نے اسے آئینے کے سامنے کھڑا کر دیا۔ "دیکھو تم کتنی پیاری لگ رہی ہو۔ ڈاکٹر صاحب تو یوں پٹ سے گر جائیں گے تمہیں دیکھ کر۔"

چہرے کے حزن اور آنکھوں میں پھیلے ملال کے رنگوں نے اسے ایک نرالا اور انوکھا سا جمال بخش دیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ فلک ناز کو دیکھ کر اسے ریجیکٹ کر ہی نہیں سکتے تھے اور ایسا ہی ہوا تھا ڈاکٹر صاحب کی نظریں تو جیسے اس کے چہرے سے ہٹنا ہی بھول گئی تھیں اور وہ سر جھکائے از حد گھبرائی گھبرائی سی بیٹھی تھی۔

پھر اماں نے ہی دعا کو اشارا کیا کہ وہ اسے لے جائے۔

"ماشاء اللہ، بہت پیاری ہے۔" ڈاکٹر صاحب کی بہن نے اس کے جاتے ہی اماں سے کہا۔

"بس آپ تو آج ہی ہمارا منہ میٹھا کرا دیں۔ تاکہ میں بچی کو انگوٹھی پہنا دوں۔"

"نہیں پلیز، ابھی ہمیں کچھ مہلت دیجئے۔" اماں نے متانت سے کہا۔ "ہم آپ کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ کچھ تحقیق کروائیں گے آپ کے متعلق۔ پرائی بچی ہے اور روز محشر ہم اس کی ماں کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہتے۔"

میں نے دیکھا، ابا کا چہرہ ایک دم روشن روشن ہو گیا تھا۔

"ضرور، ضرور۔ آپ جس سے چاہیں ہمارے متعلق پوچھ لیں۔" ڈاکٹر صاحب کی بہن نے خوش دلی سے کہا۔ "ماشاء اللہ ہمارا خاندان بہت مضبوط بیک گراؤنڈ رکھتا ہے اور مرتضیٰ کے متعلق بھی جیسی مرضی تحقیق کروا لیں۔"

"یہ تو ہمارا فرض بنتا ہے بہن۔"

"ماشاء اللہ آپ کی بچیاں بھی بہت پیاری ہیں۔"

"مگر فی الحال یہ پڑھ رہی ہیں۔ اور ابھی ہمارا ایسا کوئی خیال نہیں ہے۔ پہلے ہم اس فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔"

اماں کی متانت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور میں نے دیکھا۔ ابا کا چہرہ لحظہ بہ لحظہ روشن ہوتا جا رہا تھا اور آنکھوں میں ان کی مخصوص مسکراہٹ ہلکورے لینے لگی تھی۔

میرا دل ایک دم خوشی سے جھوم گیا۔

"یقیناً اس کا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔ پرائی بچی کے لیے آپ اتنا کچھ کر رہی ہیں۔"

جاتے جاتے مسز برنی نے اماں کو سراہا۔

میں اماں کے پاس کھڑی تھی اور مجھے اماں پر ٹوٹ کر پیار آ رہا تھا۔ جی چاہ رہا تھا کہ اماں کو اپنے بازوؤں میں لے کر انہیں خوب پیار کر لوں۔

"شکریہ شہر بانو!" اماں کے پاس سے گزرتے ہوئے ابا ہولے سے گنگنائے اور میں جو اماں کے چہرے کی طرف ہی دیکھ رہی تھی میں نے اماں کے ہونٹوں کے کونوں پر ایک معدوم سی مسکراہٹ کو گم ہوتے دیکھ لیا تھا۔

"ہرا! میں نے دل ہی دل میں نعرہ لگایا۔

اماں کی نظر بچا کر ابا کو وکٹری کا نشان دکھایا اور اکرام کے ساتھ مل کر چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

اس روز مدتوں بعد گھر کی فضائیں مجھے گنگناتی ہوئی لگیں شانی اور دعا برآمدے میں بیٹھے بلاوجہ جھگڑتے رہے۔ بالکل پہلے کی طرح اور پھر شانی نے اپنے کمرے میں جا کر بلند آواز میں ڈیک لگا دیا۔

اور ابا اپنی مخصوص راکنگ چیر پر آگے پیچھے جھولتے ہوئے کوئی کتاب پڑھنے
اور ان کی آنکھوں کے گوشوں میں مسکراہٹ دمکتی رہی اور کچن میں سے اماں کی آواز آ
رہی۔ پہلے کی طرح کام کرتے ہوئے وہ اکرام کے ساتھ سر کھپا رہی تھیں اور یہ سب
کس قدر انوکھا اور خوش کن لگ رہا تھا۔ جیسے مدتوں بعد اس گھر کی دیواروں پر خوشی
پرندے چہچہائے ہوں اور اماں نے تو کمال ہی کر دیا تھا۔ سچ سچ وہ اس وقت بہت بلند
پر تھیں رات میں نے ٹرے میں پلیٹیں رکھتے ہوئے اکرام سے کہا کہ وہ فلک ناز کا کھ
کمرے میں لے جائے تو اماں نے منع کر دیا۔

''کھانا ٹیبل پر لگ رہا ہے۔ اسے بھی بلالو۔''

بات کر کے وہ فوراً ہی اکرام کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں اور میری خوشی دو چند ہو
تھی۔ میں تقریباً بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آئی تھی۔ فلک ناز کروٹ کے بل بیڈ پر لی
تھی۔ اس نے اپنا بازو اپنی آنکھوں پر رکھا ہوا تھا۔ غالباً وہ رو رہی تھی۔

''ارے رو رہی ہو بیوقوف!''

میں نے اسے کندھے سے پکڑ کر اٹھا دیا۔

''ڈاکٹر صاحب تو اتنی زبردست پرسنالٹی کے مالک ہیں۔ ایسا اسمارٹ اور ڈیشنگ
بندہ۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔''

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا ندا! کہ وہ مجھے ریجیکٹ کر دیں۔'' اس نے بے بسی سے مجھے
دیکھا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر صاحب کی شکل نہیں دیکھی تھی تم نے۔ ان کا بس
چلتا تو وہ اسی وقت تمہیں رخصت کروا کے لے جاتے اور ان کی بہن۔ دیکھا تھا کس طرح
ریشہ خطمی ہوئی جا رہی تھیں تم پر۔ خیر چلو اب منہ ہاتھ دھو کر کھانے کے لیے چلو۔''

''میں!'' اس نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں تم پھر تو اس گھر سے چلی ہی جاؤ گی۔ کچھ دن ہمارے سب کے ساتھ مل کر
بیٹھ جاؤ۔''

''مگر مجھے بھوک نہیں ہے اور وہ۔''

''تمہیں بھوک ہے یا نہیں آؤ ورنہ اماں کو افسوس ہوگا۔ انہوں نے خود مجھ سے کہا
ہے کہ تمہیں لے آؤں اور اماں کا حوصلہ۔''

وہ خاموشی سے اٹھ کر میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئی۔ اگرچہ دعا' شان یا
اماں میں سے کسی نے اس سے براہ راست بات نہ کی تھی لیکن ان کے چہروں پر اس کے
لیے نفرت یا بےزاری نہ تھی۔ شان کھانے کے دوران مسلسل لطیفے سنا رہا تھا اور دعا اس
کے لطیفوں کو رد کرتی رہی۔ ''فضول بالکل بور۔'' حالانکہ وہ اتنے بور بھی نہ تھے۔

''اور اب اگر تم نے کوئی لطیفہ سنایا تو میں اگر اس پر ہنس گیا تو میرا نام بدل دینا۔''
شان کو اپنے لطیفوں کی بےقدری پر ازحد دکھ ہو رہا تھا۔

سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ ہاں فلک ناز سر جھکائے میرے ساتھ والی چیئر
بیٹھی ذرا سے چاول پلیٹ میں ڈالے انہیں یونہی ٹونگ رہی تھی۔

''فلک ناز! لو نا کچھ۔ تم تو کچھ بھی نہیں کھا رہیں۔''

تب ہی فون کی بیل ہوئی۔ ابا نے اٹھ کر فون ریسیو کیا اور کچھ دیر بعد آ کر بتایا۔
ہوں نے کسی کو مخاطب نہیں کیا تھا۔

''مسز برنی کا تھا۔ وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ لوگ ازحد بے چین ہیں اور درخواست کر
ہے ہیں کہ جلد از جلد فیصلہ کیجئے گا اور یہ کہ وہ لوگ بہت اچھے ہیں اور مسز برنی خود ان
ی گارنٹی دینے کے لیے تیار ہیں۔''

فلک ناز جو سر جھکائے چمچ سے کھیل رہی تھی۔ چمچ اس کے ہاتھ سے گر پڑا اور
یک وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔

''فلک !فلک ناز ! کیا ہو گیا ہے بھئی۔''

میں نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی لیکن وہ مسلسل روئے چلی جا رہی تھی
یکدم وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اماں کی کرسی کے پاس نیچے بیٹھتے ہوئے اس نے ان
پاؤں پکڑ لیے۔

''خدا کے لیے مجھے یہاں سے مت بھیجئے کہیں۔ میں ساری زندگی آپ کی باند
بن کر رہوں گی۔ آپ کہیں گی تو میں۔''

وہ ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

آخر کیا تھا اس گھر میں اس کے لیے۔ وہ کیوں یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی
میرے علاوہ یہاں کبھی کسی نے اس سے بات نہیں کی تھی۔

ہاں ابا تھے جب تک اس کی امی زندہ تھیں وہ اسے ساتھ ہاسپٹل لے جاتے
اور اس سے کبھی کبھار اس کی امی کی بیماری پر بات کر لیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے ا
کی امی کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ ابا نے بھی تقریباً اس سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ سارا د
میرے کمرے میں بند رہتی تھی۔ کیا تھی یہ زندگی ایک قید خانے سے کسی صورت کم نہ
اور پھر ایک تحقیر آمیز زندگی کی تمنا کوئی کیسے کر سکتا ہے۔

میرے علاوہ سب ہی حیران تھے۔ اماں ساکت بیٹھی تھیں۔ کچھ دیر بعد انہوں
چونک کر اس کے ہاتھ پاؤں سے ہٹانے کی کوشش کی مگر اس نے اور مضبوطی سے ان
پاؤں تھام لیے اور زیادہ شدت سے رونے لگی اور ایک ہی بات کی بار بار تکرار کر
لگی۔

''مجھے اپنی نوکرانی بنا لیں مگر مجھے اس گھر سے نہ نکالیں۔ آپ جو کہیں گی میں کروں
گی۔ جہاں بٹھائیں گی بیٹھوں گی۔ آپ کو اپنے بچوں کی محبت کی قسم۔ ان کی زندگیوں
کے صدقے میں مجھے یہاں رہنے دیں اور ان کو منع کر دیں۔''

اماں کو خاموش دیکھ کر اس نے روتے روتے اپنا سر اٹھا کر ابا کی طرف دیکھا۔

''میں آپ سے کچھ طلب نہیں کرتی۔ کچھ نہیں مانگتی۔ زندگی بھر نہیں مانگوں گی لیکن
پلیز' اپنا نام مجھ سے جدا نہ کریں۔''

وہ شاید ہوش وخرد سے بیگانہ ہو گئی تھی۔

''یہ کیا فضول باتیں کر رہی ہو فلک ناز۔''

ابا جھنجلا گئے اور کھڑے ہو گئے۔ اماں بھی اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ لیکن وہ وہیں فرش
پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیے روتی رہی اور وہ بات جو ابھی تک میں سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ اس
کا ادراک اچانک میرے دل پر اترا۔ ہاسپٹل کے کمرے میں اس کا گلرنگ ہوتا چہرا۔

''نہیں!'' میرے دل پر برف سی گرنے لگی۔ ''یہ بھلا کیسے ہو سکتا ہے ابا اور اس کی
عمروں کا اتنا واضح فرق۔ لیکن ابا کی شخصیت و پرسنالٹی۔''

مجھے ایک دم اس پر غصہ آ گیا۔ کتنے دنوں بعد خوشی کے پرندے ہمارے گھر کی
منڈیروں پر آ کر بیٹھے تھے۔ کچھ دیر پہلے کتنی چہچہاہٹ تھی لیکن اب سارے پرندے اڑ
گئے تھے۔ میں اسے یونہی روتا چھوڑ کر باہر آ گئی۔ میں اس وقت اس سے بات نہیں کرنا
چاہتی تھی کوئی بھی۔

دعا اور شان بھی کب کے جا چکے تھے۔

کیسی ناشکری لڑکی تھی۔ کتنی ناسپاس گزار۔

بھلا ڈاکٹر مرتضیٰ حسن جیسے لڑکے کو بھی کوئی ٹھکرا سکتا ہے۔ لڑکیاں تو ایسے اکیلے'

پڑھے لکھے اور دولت مند لڑکے پر مرتی ہیں اور یہ۔

ابا ٹی وی لاؤنج میں بے چینی سے ٹہل رہے تھے۔ آنکھوں کے کونوں میں کو
مسکراہٹ نہیں دمک رہی تھی۔

پیشانی پر لکیروں کا جال بنا ہوا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہ دائیں ہاتھ کی شہادت
کی انگلی اپنے ماتھے پر مارتے۔

''ندا!'' انہوں نے مجھے آتے دیکھ کر آواز دی۔

''اس بے وقوف لڑکی کو سمجھاؤ کہ یہ ممکن نہیں ہے۔''

''کیا وہ سمجھ جائے گی ابا؟'' میں نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

جس حقیقت کا ادراک مجھے ہوا تھا۔ ابا نے بھی یقیناً اسے پا لیا تھا اور شاید انہیں اس
پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''اسے سمجھنا ہی ہوگا۔''

ابا مجھے وہاں ہی چھوڑ کر تیزی سے ڈرائنگ روم کی طرف لپکے۔ میں وہیں ٹی وی
لاؤنج میں کھڑی رہی۔ پتا نہیں انہوں نے فلک ناز سے کیا کہا تھا اور ان کے درمیان
کیا باتیں ہوئیں تھیں لیکن وہ کچھ دیر بعد بہت غصے میں نکلے تھے۔ فلک ناز بھی ان کے
پیچھے ہی باہر آئی تھی۔ انہیں پکارتی ہوئی۔

''پلیز ایسا مت کریں۔ کیا لیتی ہوں میں آپ کا۔ بس ایک نام ہی تو دیا ہے آپ
نے مجھے وہ مت لیں۔ آپ نے میری مرتی ہوئی ماں سے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے بے
سہارا نہیں چھوڑیں گے۔'' وہ مسلسل رو رہی تھی۔

''اور میں یہ وعدہ ہی نبھا رہا ہوں فلک ناز! اور تم اس کے نباہنے میں رکاوٹ بن
رہی ہو۔''

''کیا نقصان کیے ہیں میں نے آپ کے؟ کیا تکلیف دی ہے میں نے آپ کو؟
ایک کمرے میں پڑی رہتی ہوں۔''

''یہ کہو کیا نقصان نہیں کیے تم نے میرے۔'' ابا ایک دم تیز ہو گئے۔

اتنے نرم، اتنے حلیم ابا کو میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اس طرح اونچی آواز میں
بولتے سنا تھا۔

''تم نے تو مجھے لخت لخت کر دیا ہے فلک ناز! میرے بڑے نقصان ہو گئے ہیں۔
تمہیں کیا خبر اور ان نقصانات کی شاید کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ تم نے میرے بہت پیارے
رشتوں کو مجھ سے دور کر دیا ہے اور کہتی ہو تم نے میرے کوئی نقصان نہیں کیے۔ مجھے کوئی
تکلیف نہیں دی۔ تم نے میرے بچوں کے ہونٹوں سے مسکراہٹ چھین لی۔
شہر بانو کے ہونٹوں پر چپ لگا دی اور میری راتوں کا سکون دن کا چین لوٹ لیا۔ تم
میری تکلیف کا اندازہ کر سکتی ہو۔ تم نے پل پل مجھے مار ڈالا ہے۔''

ابا بغیر رکے مسلسل بولے جا رہے تھے اور ان کی آواز پورے لاؤنج میں گونج رہی
تھی۔

''پہلے تمہاری ماں نے میرا بند بند اپنے احسان میں جکڑ کر مجھے خرید لیا اور اب تم
مجھے خدا سے ڈرا کر بلیک میل کرنا چاہتی ہو۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ میں ابھی جا کر وکیل سے
طلاق کے کاغذات تیار کرواتا ہوں اور مسز برنی کو ہاں کر دیتا ہوں۔''

وہ تیزی سے باہر نکل گئے اور وہ ٹی وی لاؤنج کے بیچوں بیچ ساکت کھڑی تھی۔
آنسو اس کے رخساروں پر ہی منجمد ہو گئے تھے۔ مجھے اس پر بے حد ترس آیا۔ تھوڑی دیر
پہلے کی خفگی اور غصہ ابا کے اس طرح بولنے سے غائب ہو گیا تھا اور میرا دل اس کی بے بسی
پر گداز ہونے لگا تھا۔ میں اس کی طرف جانا چاہتی تھی کہ میری نظر باہر پڑی۔ ابا گاڑی

کی چابی اٹھائے پورچ کی طرف جا رہے تھے۔
وہ بے حد جذباتی ہو رہے تھے اور اس جذباتی حالت میں وہ ڈرائیو کریں گے۔ میں
اسے وہاں ہی چھوڑ کر ابا کے پیچھے لپکی لیکن ابا تب تک گاڑی میں بیٹھ چکے تھے اور مجھ
دیکھنے کے باوجود وہ گاڑی تیزی سے باہر نکال لے گئے۔
میں کچھ دیر یوں ہی پورچ میں کھڑی رہی۔ میں یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ابا کہاں
گئے ہیں اور کیا کریں گے۔
کیا مسز برنی کی طرف۔
یا طلاق کے کاغذات تیار کروانے گئے ہیں اور یہ فلک ناز یہ اس نے ایسا کیوں کیا
بھلا کوئی ایسا بھی کرتا ہے اس طرح گھر آئی خوشیوں کو ٹھکراتا ہے اور وہ ڈاکٹر مرتضیٰ کر
قدر زبردست بندہ ہے۔ پھر نہ ساس نہ سسر اور یہاں بھلا کیا ملے گا اسے؟ ابا کیا دے
سکتے ہیں اسے؟ ان کی زندگی تو مکمل ہے۔ کہیں کوئی کمی نہیں اور کسی اور کی گنجائش۔
مجھے بیک وقت اس پر ترس بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی۔ میں ہولے ہولے چلتی ہوئی
لاؤنج میں آئی۔
اب وہ وہیں زمین پر بیٹھ گئی تھی اور اس نے اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیا تھا اور شاید وہ رو
رہی تھی۔ میں چند لمحے یوں ہی اس کے پاس کھڑی رہی بھلا میں اس سے کیا کہوں۔
ایک بار تو جی چاہا کہ اسے اس کی حماقت پر دو تھپڑ زور سے لگاؤں اور پھر پوچھوں کہ یہ تم
نے کیوں کیا۔
اور اماں کتنے دنوں بعد اس طرح مطمئن دکھائی دی تھیں اور کتنے دنوں بعد خوشی
کے پنچھی اس طرح آ کر ہماری دیوار پر بیٹھے تھے اور اس نے اپنی عاقبت اندیشی سے انہیں
اڑا دیا۔

پاگل لڑکی!
میں نے اسے وہیں روتے چھوڑا اور بڑے کمرے میں آ گئی جہاں شان کمپیوٹر کے
سامنے بیٹھا یونہی چپس کھیلنے کی کوشش کر رہا تھا۔
اماں اخبار گھٹنوں پر پھیلائے صوفے پر خاموش بیٹھی تھیں اور دعا ان کے بیڈ پر لیٹی
تکیے میں منہ گھسیڑے شاید رو رہی تھی۔ شان نے مڑ کر مجھے دیکھا تھا اور پھر اپنے کمپیوٹر کی
طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ اماں گہری سوچ میں تھیں۔ انہوں نے بھی میری طرف نہیں دیکھا
تھا۔ میں دعا کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔
''دعا!'' اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔ میرا اندازہ صحیح تھا اور وہ سچ مچ رو رہی تھی۔
''اب کیا ہوگا؟'' اس نے احمقوں کی طرح پوچھا ''کیا اب ابا اسے گھر میں رکھ لیں
گے۔''
''احمق نہ بنو بھلا ابا ایسا کیوں کرنے لگے۔'' میں نے ہولے سے اسے ڈانٹا۔
''ابا گئے ہیں مسز برنی کی طرف میں نے اسے تسلی دی'' اور انشاء اللہ بہت جلد سب
ٹھیک ہو جائے گا۔ ابا نے اس سے کہا ہے کہ وہ آج ہی اسے طلاق دے دیں گے اور
عدت کے بعد۔''
''مگر ابا نے اس سے شادی ہی کیوں کی تھی؟'' دعا نے مچل کر کہا۔ ''کیا وہ اس
وقت مسز برنی سے نہیں کہہ سکتے تھے کہ وہ۔''
''دعا۔'' میں نے پیار سے اس کے آنسو پونچھے ''کچھ باتیں ہمارے اختیار میں
نہیں ہوتی ہیں نا' سب کچھ ہو جاتا ہے اچانک۔ ہمیں بالکل ہی پتا نہیں چلتا کہ کیوں اور
بظاہر ہمارے پاس کوئی راستہ بھی نہیں ہوتا لیکن بعد میں بہت سارے راستے نکل آتے
ہیں اور ہم سوچتے ہیں کہ ہم یوں کر لیتے تو یوں ہو جاتا اور یوں کر لیتے تو کتنا اچھا ہوتا۔

لیکن تب سب کچھ ہو چکا ہوتا ہے اور ہم گزرے لمحوں کو پلٹنے کی طاقت نہیں رکھتے ہوتے۔"

"اور ابا کل ہی کیوں نہیں ان کا نکاح پڑھوا دیتے ڈاکٹر مرتضٰی سے۔"

"پاگل! یہ ممکن نہیں ہے طلاق کے بعد عدت کے دن گزارنا ضروری ہوتے ہیں نا۔"

"تو ابا نے بہت دن پہلے طلاق کیوں نہیں دے دی اسے" وہ جرح کر رہی تھی۔

"ابا اس کے لیے مضبوط سہارا ڈھونڈنے کے بعد ہی کچھ کرنا چاہتے تھے۔ یونہی راہ میں تو نہیں چھوڑا جا سکتا تھا اور پھر ابا نے اس کی مرتی ہوئی ماں سے وعدہ کیا ہے نا اور وہ احسان مند تھے اس کے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ مرنے سے پہلے بے سکون ہو جائے۔"

"چاہے ہمارا سکون چھن جائے۔"

"دعا! اماں نے مڑ کر ہمیں دیکھا بحث نہ کیا کرو۔"

"دراصل ابا خود ہی نہیں دینا چاہتے ہوں گے اسے طلاق' اتنی خوب صورت چیز ہے۔" دعا بہت بدگمان ہو رہی تھی۔

"دعا!" میں نے کچھ کہنا چاہا لیکن اپنے کندھے سے میرا ہاتھ ہٹا کر اس نے تکیوں میں منہ چھپا لیا۔

میں اٹھ کر اماں کے پاس نیچے قالین پر آ بیٹھی اور میں ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھا۔

"اماں!"

"ہوں!" انہوں نے اخبار سمیٹ کر ایک طرف رکھ دیا۔

"اماں! ابا گئے ہیں مسز برنی کی طرف شاید ان کے گھر گئے ہیں کیونکہ اس وقت

آفس تو بند ہوگا۔"

اماں نے ہولے سے سر ہلا دیا۔

"تم اس وقت جانے سے روک دیتیں۔" میں نے دیکھا اماں ابا کے لیے پریشان تھیں۔

"میں گئی تو تھی پیچھے لیکن وہ گاڑی نکال لے گئے تھے۔"

"اماں نے کچھ نہیں کہا۔ بس چپ چاپ مجھے دیکھتی رہیں۔

"وہ فلک ناز وہ بہت بے وقوف سی ہے اماں ابا نے اس کا خیال رکھا ہے نا۔ اس کی ماں کا اور اس کا وہ شاید سمجھنے لگی ہے کہ یہاں اسے تحفظ ملا ہوا ہے۔ وہ کہیں اور جانے سے ڈرتی ہے نا۔ شاید اس لیے لیکن میں اسے سمجھا لوں گی۔"

"تمہارے ابا ابھی تک نہیں آئے۔" اماں شاید میری بات میں گم رہی تھیں اور ان کا پورا دھیان ابا کی طرف تھا۔

اور یہ اتنے محبت کرنے والے اماں اور ابا۔ کیا مثالی گھر تھا ہمارا۔

"تم جاؤ جا کر آرام کرو۔ صبح تمہیں یونیورسٹی بھی جانا ہے۔" اماں نے آرام سے میرا ہاتھ اپنے گھٹنے سے ہٹایا۔

"اور دیکھ لینا اکرام نے سب سمیٹ لیا ہے اور پوچھ لینا کھانا کھا لیا اس نے اور جب تمہارے ابا آئیں تو اکرام سے کہہ دینا' انہیں دودھ دے دے اور دعا اور شان کے لیے بھی دودھ بھجوا دو۔"

انہوں نے مڑ کر ذیشان اور دعا کی طرف دیکھا۔

"تم دونوں بھی اب سو جاؤ۔"

"ہمیں دودھ نہیں پینا۔" شان نے جواب دیا اور مڑ کر اپنے کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گیا۔

میں ہولے سے اماں کا ہاتھ دبا کر باہر چلی آئی۔ وہ اسی طرح گھٹنوں پر سر رکھے

فرش پر بیٹھی تھی۔

''فلک!'' میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا ''اٹھو' جا کر منہ ہاتھ دھولو اور کمرے میں جا کر آرام کرو۔ میں ابھی آتی ہوں تم سو جانا۔''

اس نے چہرہ گھٹنوں پر سے اٹھایا۔

شدت گریہ سے اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

''تم۔تم مجھ سے نفرت کرنے لگی ہو گی۔ ہے نا۔ مجھے برا سمجھ رہی ہو گی۔ لیکن میں' میں۔'' اس نے بے بسی سے ہاتھ ملے۔ ''میں تمہیں کس طرح بتاؤں کہ میں نے بہت سوچا ہے لیکن مجھے لگتا ہے جیسے میرا دل کٹ کر گر جائے گا۔ جیسے۔''

''پلیز فلک!'' میں نے ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا۔ ''اس وقت تم بہت اپ سیٹ ہو رہی ہو۔ بعد میں بات کریں گے۔ شاباش اٹھو اوپر اپنے کمرے میں جا کر آرام کرو پلیز۔''

''ندا' ندا پلیز' تم تو میری بات سن لو۔''

''سنوں گی۔'' میں نے نرمی سے کہا۔

''تم مجھ سے خفا تو نہیں ہو نا۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نہیں۔''

میں نے آہستگی سے کہا۔ حالانکہ میرا جی تو یہی چاہا تھا کہ کہوں ..... ''ہاں خفا ہوں..... بہت زیادہ۔ بے حد'' لیکن میں نے اس وقت کچھ نہیں کہا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے کے دروازے تک چھوڑ کر کچن کی طرف آ گئی۔

میں آخری پیپر دے کر آئی تو جو بیڈ پر گری تو پھر رات کو ہی اٹھی..... جب میری آنکھ کھلی تو کمرے میں اندھیرا تھا..... اور فلک ناز اندھیرے میں کھڑکی کے پاس کھڑی جانے باہر کیا دیکھ رہی تھی۔ میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔ ''فلک! لائٹ جلا لیتیں۔''

اس نے کوئی جواب نہیں دیا تو میں بیڈ سے اتر کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

کیا دیکھ رہی ہو فلک؟''

میں نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''کچھ نہیں۔'' وہ میری طرف مڑی۔ اندھیرے میں بھی مجھے اس کی آنکھوں میں آنسو چمکتے دکھائی دیے اور پھر میں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ابا اپنی مخصوص کرسی پر آنکھیں موندے آگے پیچھے جھول رہے تھے۔ میں ایک گہری سانس لے کر کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی۔ پتا نہیں کیوں مجھے فلک ناز پر غصہ نہیں آتا تھا بلکہ وہ مجھے حالات کا

شکار لگتی تھی۔ حالانکہ اس کی وجہ سے ہم سب بہت ٹینشن میں تھے اور ہمارے ہنستے بستے گھر سے ہنسی کے جگنو اڑ گئے تھے۔ لیکن پھر بھی مجھے اس پر غصہ نہیں آتا تھا اور اگر آتا بھی تھا تو وقتی طور پر...... کچھ دیر بعد پھر مجھے اس پر ترس آ جاتا اور میں اسے سمجھانے لگتی تھی۔ لیکن میرے سمجھانے سے بھی کیا ہوتا تھا۔ اس کا مقدر بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

ڈاکٹر مرتضٰی کا پروپوزل کس قدر مناسب اور اچھا تھا لیکن جب انہوں نے مسز برنی کو بتایا کہ شادی بہت جلدی نہیں ہو سکتی اور پھر انہوں نے ساری حقیقت مسز برنی کو بتا دی تھی۔

''میں چاہتا ہوں' یہ بات آپ ڈاکٹر مرتضٰی کو بتا دیں۔ بعد میں اگر بات کھلے تو فلک ناز کی زندگی پر کوئی اثر نہ پڑے۔ میں اس کی والدہ کی روح سے شرمندہ نہیں ہونا چاہتا۔''

اور جہاں مسز برنی کو اس بات پر از حد حیرت ہوئی تھی وہاں ڈاکٹر مرتضٰی کی طرف سے انکار ہو گیا تھا۔

مجھے از حد غصہ آیا تھا۔

''کس قدر تنگ نظر ہوتے ہیں یہ لوگ۔ خود چاہے اتنے سال یورپ میں رہ کر دس شادیاں کر چکا ہو۔''

ابا پریشان تھے اور فلک ناز کے چہرے پر اطمینان کی جھلک تھی۔ اماں پہلے کی طرح خاموش ہو گئی تھیں۔ اب مجھے اماں کی آنکھیں ہر وقت سوچتی دکھائی دیتیں۔

ابا نے ان دنوں بے حد کوشش کی کہ کہیں کوئی رشتہ مل جائے۔ لیکن جب یہ بتایا جاتا کہ لڑکی طلاق یافتہ ہے۔ اگرچہ رخصتی وغیرہ نہیں ہوئی تو لوگ بدک جاتے۔ ڈاکٹر مرتضٰی کے پروپوزل کے بعد ابا نے پھر کسی کو گھر پر نہیں بلایا تھا۔ سارے معاملات مسز برنی کے

میرج بیورو میں ہی طے پائے جاتے تھے۔

میرے پیپر شروع ہو چکے تھے۔ اگرچہ گھر کے اس ماحول کی وجہ سے میں صحیح طرح سے تیاری نہیں کر پا رہی تھی۔ تاہم میں نہیں چاہتی تھی کہ میرا سال ضائع ہو۔ سو میں پوری کوشش کر رہی تھی کہ تیاری کر لوں۔ اس روز میں ٹی۔ وی لاؤنج میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ فلک اپنے کمرے سے باہر نکل کر میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے فلک؟''

میں نے کتاب بند کر دی اور اس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں سو رہے تھے۔

''ندا! میں بہت بری ہوں۔ میں نے سب کو پریشان کیا ہوا ہے پلیز اپنے ابا سے کہو۔ میرے لیے پریشان نہ ہوں۔ ان کی پریشانی سے میرا دل جلتا ہے۔''

''فلک! خدا بہتر کرے گا۔'' میں نے اسے تسلی دی ''ابا کوشش تو کر رہے ہیں۔ دراصل یہ دنیا اور اس کے رہنے والے بہت چھوٹے دل کے ہیں۔ پتا ہے ابا نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں کراچی بھجوا دیں۔ جالب چچا کے پاس...... اور وہاں بھجوانے سے پہلے وہ تمہیں طلاق دے دیں گے۔ اور پھر......''

''نہیں' پلیز نہیں۔'' اس نے اپنا ہاتھ میرے ہونٹوں پر رکھ دیا۔ میں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

''اب اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے نا فلک! یہاں سے بات نکل جاتی ہے۔ وہاں کسی کو تمہارے اس نام نہاد نکاح کے متعلق نہیں بتایا جائے گا۔ بلکہ ابا نے جالب چچا کو بھی یہی بتایا ہے کہ تم ان کی کسی کولیگ کی بیٹی ہو اور......''

''ندا پلیز' نہیں...... اپنے ابا سے کہو ایسا مت کریں۔''

اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرزنے لگے تھے بلکہ پورا وجود لرز رہا تھا۔ میں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اس روز ابا کی خفگی کے بعد اس نے کبھی ایسی کوئی بات نہیں کی تھی۔ بلکہ جب بھی ابا کہتے۔ وہ تیار ہو کر ان کے ساتھ مسز برنی کے میرج بیورو چلی جاتی۔ اکثر ابا مجھے ساتھ ہی لے کر جاتے تھے۔ اماں نے کبھی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اگرچہ ابا ہمیشہ اماں کے پاس کھڑے ہو کر آہستہ سے کہتے۔

''شہر بانو! مسز برنی کا فون آیا ہے۔ آج لڑکے والے وہاں آئیں گے۔'' اور پھر مجھے وہاں سے ہی آواز دیتے۔

''ندا بیٹے! فلک ناز سے کہو آ جائے۔''

فلک ناز کو تیار ہونے کی ضرورت کبھی نہ ہوتی تھی۔ وہ بغیر کسی تیاری کے ہی لاکھوں میں ایک تھی۔ اور حقیقت میں اسے کسی میک اپ کی ضرورت تھی ہی نہیں۔

اماں نے نہ کبھی ابا کی بات کا جواب دیا تھا اور نہ کبھی مجھے ساتھ جانے سے روکا تھا۔ اور آج پھر...... آج پھر فلک ناز بے چین و مضطرب نظر آ رہی تھی۔

''ندا پلیز۔'' اس نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔ ''ندا پلیز ان سے کہو مجھ سے اپنا نام مت چھینیں۔ یہ نام میرے نام کے ساتھ رہنے دیں۔ پلیز ندا...... میں اس نام کے سہارے پوری زندگی گزار لوں گی۔ کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔ کچھ طلب نہیں کروں گی...... بلکہ یہاں سے اگر آپ لوگوں نے کہا تو چلی بھی جاؤں گی...... کہیں کسی دارالامان میں۔ لیکن بس یہ نام میرے نام کے ساتھ رہے گا تو میں زندگی کا مشکل سے مشکل سفر طے کر لوں گی۔''

اس کی آواز ہولے ہولے لرزنے لگی۔

''مجھے پتا ہے ندا! تمہیں مجھ پر غصہ آ رہا ہوگا۔ میں تمہاری جگہ ہوتی تو مجھے بھی غصہ

تا۔ میں نے بہت کوشش کی ہے۔ بہت اپنے جی کو مارا...... اور جو کچھ انہوں نے کہا' ویسے ہی کیا۔ اپنے آپ سے کہا۔ ان کی خوشی یہی ہے تو مجھے اسی میں خوش ہونا چاہیے۔ لیکن یہ دل' یہ میرا دل ندا......! میں کیا کروں...... مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ کب اور کیسے۔ میں...... میں ان سے محبت کرنے لگی ہوں کہ یہ تصور ہی مجھے مار ڈالتا ہے کہ میری ذات کے ساتھ جوان کا نام لگا ہے۔ اس نام کو مجھ سے الگ کر دیا جائے گا۔''

میں حیرت سے آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاید مجھے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اس طرح کھل کر کچھ کہے گی۔

''اگر وہاں کراچی میں کامیابی ہو بھی گئی تو...... میں...... کیا میں اس شخص کے ساتھ انصاف کر سکوں گی۔ میں مر جاؤں گی پلیز۔ میں کسی دوسرے شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ میں......''

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔ میں از حد حیران سی بیٹھی تھی' تب ہی آہٹ پر میں نے سر اٹھایا۔ ابا واپس جا رہے تھے۔ سر جھکائے اور پہلے سے زیادہ پریشان' جانے کب وہ لاؤنج میں آئے تھے۔ شاید انہوں نے فلک ناز کی ساری باتیں سن لی تھیں۔ تب ہی تو صبح مجھے یونیورسٹی ڈراپ کرتے ہوئے انہوں نے مجھ سے کہا۔

''اس بیوقوف لڑکی کو سمجھاؤ۔'' وہ از حد جھنجلائے ہوئے تھے۔

''میں نے جالب سے بات کر لی اور۔''

''ابا پلیز' اسے طلاق نہ دیں۔ وہ......''

بالکل غیر ارادی طور پر میرے لبوں سے نکل گیا تھا۔ میں خود نہیں جانتی کہ وہ...... شاید ساری رات جو وہ ساتھ والے بیڈ پر لیٹی آنسو بہاتی رہی تھی۔ اس کا اثر تھا۔ یا رات میں نے بہت دیر تک اس کے متعلق سوچا تھا۔

اس کا کہنا تھا۔ وہ ابا سے محبت کرنے لگی ہے۔

ابا نے کسی قدر حیرت سے مجھے دیکھا۔

''اور کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ساری زندگی اس طرح رہتی رہے..... ہمارے گھر میں میرے کمرے میں اور اب اماں کو منالیں۔''

''تم احمق ہو۔'' ابا نے شاید میری سوچ پڑھ لی تھی۔ ''وہ کوئی چیز نہیں ہے وہ ایک جیتی جاگتی انسان ہے۔ یہ وقتی جذبہ ہے.....اور ساری زندگی یوں ہی گزاری نہیں جا سکتی۔ دراصل۔'' انہوں نے میرے چہرے کی طرف دیکھا۔ ''اس نے باپ دادا' بھائی کسی رشتے کی محبت نہیں دیکھی۔ اس نے مجھے اپنی ماں کا خیال رکھتے اور اس مشکل لیے میں اس کا ساتھ دیتے دیکھا ہے تو اس کے دل پر نقش ہوگیا ہے سب ..... وہ .....خیر.....''

ابا نے بات ادھوری چھوڑ دی تھی۔

''میں خود اس سے بات کروں گا۔''

اور پھر خدا جانے اس کے اور ابا کے درمیان کیا بات ہوئی تھی کہ ابا نے پھر جالب چچا کا ذکر نہیں کیا تھا اور نہ ہی اسے طلاق دینے کی بات کی تھی۔ البتہ وہ بے بس اور مضمحل دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے اماں سے بھی مدد مانگی تھی شاید۔ لیکن اماں نے کیا کہا' مجھے یہ بھی پتا نہیں۔

دراصل میں اپنے امتحان کی وجہ سے بہت مصروف ہوگئی تھی اور میں نے دل ہی دل میں تہیہ کرلیا تھا کہ فارغ ہو کر ان محترمہ فلک ناز بیگم کو اچھی طرح سمجھاؤں گی۔

بلکہ میں نے سوچ رکھا تھا کہ اسے اپنے ساتھ باہر لے جایا کروں گی..... ایک دو کلاس فیلوز سے ملواؤں گی اور وہ جمال علوی تو دل ہتھیلی پر لیے پھرتا ہے..... ہر چوتھی لڑکی سے

سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور فلک ناز تو.....

شاید یہ تبدیلی اس کی سوچ بدل دے۔

فلک ناز مطمئن لگتی تھی۔

اور ابا بے بس۔

''تمہارے پیپر ہو گئے ندا؟''

''ہاں!''

میں نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور لائٹ جلا دی۔ اور اسے مشورہ دیا۔

''ایسا کرو فلک ناز! ابھی دو ماہ تک یونیورسٹی میں ایڈمیشن کھلیں گے۔ تم بھی یشن لے لو۔ کسی مضمون میں ماسٹرز کرلو.....''

''ہاں وہ بھی یہی کہہ رہے تھے۔''

''یعنی ابا!''

''ہاں!'' اس کی پلکیں بوجھل ہو کر جھک گئی تھیں۔

''یعنی ابا کی اور میری سوچ ایک ہی ہے۔ اور اکثر ابا کی اور میری سوچ مل جاتی تو شان اور دعا مجھے ابا کی چمچی کہہ کر چھیڑتے تھے۔

''میں اپنی تعلیم مکمل کر کے جاب کرلوں گی۔ اور پھر تم لوگوں پر بوجھ نہیں بنوں .....''

وہ جیسے خواب دیکھنے لگی تھی۔ تب ہی دعا نے اندر جھانکا۔

''ندا! اگر اٹھ چکی ہو تو آ جاؤ چائے پینے۔ میں نے سموسے بنائے ہیں۔''

''اچھا!'' میں نے معذرت طلب نظروں سے فلک ناز کی طرف دیکھا۔ دعا کا رویہ ناز کے ساتھ اس سارے عرصہ میں ذرا بھی تبدیل نہیں ہوا تھا۔

"میں تمہاری چائے بھجواتی ہوں اکرام کے ہاتھ۔"

اس نے سر ہلا دیا اور میں باہر آ گئی۔ دعا کچن میں تھی۔

"آج تمہارے پیپرز ختم ہونے کی خوشی میں ہم نے اپنے ہاتھ سے سموسے بنائے ہیں۔"

میں نے دیکھا' وہ خود کو خوش ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

پہلے جب کبھی ہم میں سے کوئی پیپرز وغیرہ سے فارغ ہوتا تھا تو کس قدر اودھم مچا جاتا تھا اور پھر سب مل کر باہر کھانا کھانے جاتے تھے۔ شان ہمیشہ ہی کے ایف سی سے کنٹکی فرائیڈ چکن کھانے کی فرمائش کرتا تھا۔ ایک لمحہ کو میں اداس ہو گئی۔

"اور کیا کیا ہے سویٹ سسٹر؟"

"اور بھی بہت کچھ ہے۔" اس نے مڑ کر مجھے دیکھا۔ "آپ منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر آ جائیں۔ میں اماں ابا کو بلا لیتی ہوں۔"

اور شان' وہ کہاں ہے؟"

"گھر پر ہی ہے اپنے کمپیوٹر کے ساتھ چمٹا ہوا۔"

وہ جواب دے کر پھر مصروف ہو گئی۔ اکرام ٹرالی میں سامان رکھ رہا تھا۔ میں نے ایک نظر اسے دیکھا اور اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے میں اماں کے کمرے کی طرف مڑ گئی۔ اندر سے ابا کی آواز آ رہی تھی۔

"میں مجبور ہوں شہر بانو! اسے یوں منجدھار میں نہیں چھوڑ سکتا جب تک......"

"تو پھر اسے اس کا حق دو۔ کیوں اسے۔"

"میں نے تمہیں بتایا ہے نا شہر بانو کہ مجھے اس کی خواہش نہیں ہے۔ وہ مجھ پر مسلط کی گئی ہے...... میں کیا کروں' میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔"

ابا کی آواز دھیمی ہو گئی۔

"یا اسے فارغ کرو اور کسی اچھی جگہ اس کی شادی کر دو یا اسے اپنی بیوی تسلیم کر لو۔"

"شہر بانو! وہ ندا جتنی عمر کی ہے۔" ابا کی آواز میں استعجاب تھا' خفگی تھی۔ ناراضی تھی۔

"لیکن ابھی وہ غم کے حصار میں گھری ہوئی ہے۔ میں نے سوچا ہے کہ اس سال اسے یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوا دیتا ہوں۔ وہ باہر نکلے گی' دنیا دیکھے گی تو......"

میں وہاں سے ہی پلٹ آئی۔

اگلے چند دن میں نے سو سو کر خوب تھکن اتاری اور اپنے ذہن کو خوب آزاد چھوڑے رکھا۔ دعا اور ذیشان کے ساتھ مل کر کیرم کھیلتے ہوئے بے ایمانی کی اور خواہ مخواہ ہنسی بلاوجہ۔ اور خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہی کہ سب کچھ ویسا ہی ہے جیسے فلک ناز کے آنے سے پہلے تھا اور اس چھوٹی موئی سی لڑکی کے آ جانے سے کہیں کچھ نہیں بدلا۔

"ندا! اگر تمہیں ہنسی نہیں آتی تو نہ ہنسا کرو پلیز۔"

دعا نے اس روز ساری گوٹیں ہاتھ سے گڈ مڈ کر دیں۔ وہ بہت موڈی تھی اگر موڈ ہوتا تو آپی یا بجو کہہ لیتی نہیں تو ندا ہی کہہ کر بلاتی تھی۔

"تم سے کس نے کہا ہے کہ مجھے ہنسی نہیں آتی۔ اور یہ سراسر چیٹنگ ہے۔ میں نے کوئن لے لی تھی ناں اس لیے۔"

"کسی کو بھی ہنسی نہیں آتی۔ سب ایک دوسرے کو دھوکا دیتے ہیں۔"

وہ ہاتھ جھاڑ کر کھڑی ہو گئی۔

''یہاں اس گھر میں کوئی بھی خوش نہیں ہے سوائے اس کے۔ میرا بس چلے تو میں اس کا گلا گھونٹ دوں۔''

وہ کارپٹ سے اٹھ کر صوفے پر لیٹ گئی اور ٹی۔ وی آن کر دیا۔

''دعا...... آخر دعا کے اندر اتنا غصہ کیوں ہے۔ وہ ابا کی طرح' میری طرح اور اماں کی طرح کیوں نہیں ہے۔''

میں نے بھی گوٹیں سمیٹیں اور کیرم اٹھا کر ایک طرف رکھا اور اپنے لیے چائے بنانے کچن کی طرف جانے ہی لگی تھی کہ ابا مجھے اماں کے کمرے سے نکلتے دکھائی دیے۔ سر جھکائے انتہائی دل گرفتہ سے۔ ان دنوں اماں اور ابا کے درمیان مذاکرات ہو رہے تھے۔

ابا اکثر دو دو گھنٹے تک اماں سے باتیں کرتے رہتے تھے۔ موضوع یقیناً فلک ناز ہی ہوگی۔ جو ابا کو ان کے بچوں کی محبتوں کا واسطہ دے کر خود بڑے اطمینان سے ہو گئی تھی جب کہ ابا از حد اپ سیٹ تھے۔ خدا جانے اماں کے ساتھ ان کی بات چیت کیا ہوتی تھی۔ لیکن یہ طے تھا کہ اب تک ابا اماں کو قائل نہیں کر سکے ہیں۔

میں چائے بنا کر ابا کے کمرے میں ہی آ گئی۔ میرا دل ابا کے لیے دکھ رہا تھا۔ وہ اپنے بیڈ پر دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیٹھے تھے۔

''ابا! یہ چائے۔'' میں نے ایک کپ ٹیبل پر ان کے سامنے رکھا اور خود دوسرا کپ لے کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

ابا نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا' ان کی آنکھیں بے حد سرخ ہو رہی تھیں۔ ''ندا! اپنی اماں کو سمجھاؤ۔ اپنا فیصلہ بدل لے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔''

''کیسا فیصلہ؟'' میں چونکی۔

''وہ...... اس نے یہاں سے جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔''

''مگر کہاں ابا؟'' میں نے ہونقوں کی طرح انہیں دیکھا۔

''کوئٹہ' تمہارے نانا ابا کے پاس''

''نہیں۔'' میرا دل جیسے ڈوب سا گیا۔ ''کیا یہ گھر ٹوٹنے والا ہے۔ یہ گھر جس پر مجھے ہمیشہ رشک آتا تھا اور میں سوچتی تھی کہ ہم کتنے خوش قسمت ہیں۔''

''اور کیا آپ نے انہیں نہیں روکا۔'' میرا دل میرے سینے کے اندر جیسے تڑپ رہا تھا۔

''ہر طرح سے۔ حتیٰ کہ فلک ناز کو دارالامان تک چھوڑ دینے کی بات کی لیکن وہ تو مانتی ہی نہیں۔ اس کا ایک ہی اصرار ہے کہ فلک ناز کو اپنا لوں...... جو ذمہ داری اٹھائی ہے ایک مرتی ہوئی عورت کے سامنے اسے پورا کروں۔ اگر احسان کا بدلہ اتارنا ہی ہے تو ''

ندا! میں کیا کروں بیٹا۔ تمہاری ماں نے مجھے تمہاری محبتوں کی قسم دے دی ہے اور ادھر وہ بیوقوف اور احمق لڑکی ہے جو۔''

ابا ایک لمحے کو چپ کر گئے۔

''بیٹا! اپنی اماں سے کہو ایسا نہ کرے۔ میری ایک معمولی سی غلطی کی اتنی بڑی سزا نہ دے ہمیں۔ ہم سب اس میں پس جائیں گے۔''

ابا نے پھر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا تھا۔ اور میں ساکت بیٹھی تھی۔ چائے میرے سامنے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی۔ ابا کبھی کبھی اضطرابی انداز میں اپنی انگلیاں مروڑتے کبھی بالوں کو کھینچتے۔ اور کبھی بے بسی سے میری طرف دیکھتے جیسے آنکھوں ہی آنکھوں میں التجا کر رہے ہوں۔ بڑی دیر بعد میں اٹھی اور مرے مرے قدموں سے چلتی ہوئی اماں کے کمرے میں آئی۔

اماں نماز پڑھ رہی تھیں۔ سلام پھیر کر مجھے دیکھا اور پھر اشارے سے بیٹھنے کے لیے کہا۔ میں خاموشی سے اماں کے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ میرا دل جیسے ان دیکھے طوفانوں کی زد میں آیا ہوا تھا۔ کتنے دنوں سے میرا دل اندر ہی اندر بجھا ہوا سا لگتا تھا۔ دعا نے صحیح کہا تھا کہ میں خواہ مخواہ ہنستی تھی اور بلاوجہ۔ اندر سے میرا ہنسنے کو جی نہیں چاہتا تھا میں تو صرف دعا اور ذیشان کے لیے..... شاید اندر کہیں کسی انہونی کا احساس ہو گیا تھا..... اماں نماز سے فارغ ہو کر میرے پاس آ بیٹھیں میں نے دیکھا اماں کا چہرہ ستا ہوا تھا۔ شاید وہ روئی تھیں۔

"کیا بات ہے؟" انہوں نے میرے چہرے کو غور سے دیکھا۔

"اماں! ابا کہہ رہے ہیں کہ آپ....." میرے حلق میں گولا سا پھنس گیا۔ "اماں پلیز ایسا نہ کریں۔ ایسا نہ کریں۔"

میں نے ایک دم ان کے ہاتھ تھام لیے اور زور زور سے رونے لگی۔

مجھے اپنی سمجھ اور اپنی قوت گفتار پر بڑا ناز تھا۔ میں ہر ایک کو قائل کر سکتی تھی لیکن اماں کو نہیں..... محبتوں کے سامنے لفظ بے معنی اور بیکار ہوتے ہیں۔ اماں نے مجھے اپنے ساتھ لگا لیا اور کچھ دیر رونے دیا..... پھر آہستگی سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"تم چاہو تو یہاں اپنے ابا کے ساتھ رہ سکتی ہو..... شان اور دعا میرے ساتھ جائیں گے۔"

کیسا پتھریلا لہجہ تھا اماں کا جیسے..... ان کے فیصلے میں کسی رد و بدل کی گنجائش نہ ہو۔

"نہیں پلیز اماں! نہیں۔ ایسا مت کریں۔ وہ بے ضرری لڑکی کیا لیتی ہے آپ کا۔ ایک طرف میرے کمرے میں پڑی رہتی ہے۔ اور پھر اب تو ابا اسے دارالامان میں بھیجنے

کا کہہ رہے ہیں۔"

"کیا لیتی ہے وہ میرا؟" اماں نے اتنی آہستگی سے کہا جیسے وہ اپنے آپ سے بات کر رہی ہوں۔ "اس کا وجود میرے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برستا ہے۔ اور دن رات کی ان ضربوں نے مجھے ادھ موا کر دیا ہے۔"

"اماں!" میری آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔ میں نے پھر ان کے ہاتھ تھام لیے۔

"ٹھیک ہے اماں..... پھر ابا کو کرنے دیں جو وہ کر رہے ہیں' وہ کل اسے دارالامان چھوڑ آتے ہیں۔"

اور یہ کہتے ہوئے اندر دل کو کچھ ہوا تھا۔ اتنے دنوں سے ہم ایک ہی کمرے میں رہ رہی تھیں اور جن دنوں میرے پیپرز ہو رہے تھے۔ اس نے میرا بہت خیال رکھا تھا بالکل دعا کی طرح میرے کپڑے استری کر دیتی۔ چائے بنا کر خاموشی سے ٹیبل پر رکھ دیتی وغیرہ وغیرہ۔

"اور کیا مجھے روز محشر اپنے خدا کو منہ نہیں دکھانا کہ معصوم بچی کو گھر سے نکال دوں گی۔"

اماں ابھی بھی جیسے خود سے مخاطب تھیں۔

"اور وہ لڑکی؟" انہوں نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا "تم نے دیکھا ہے' اس کی آنکھوں میں تمہارے ابا کے نام سے کیسی قندیلیں جل اٹھتی ہیں۔"

اور میں جانتی تھی کہ وہ ابا سے محبت کرنے لگی ہے' بہت ہی شدید اور بہت ہی انوکھی سی محبت۔

"میں نے کہا تھا تمہارے ابا سے' اسے اس کا مقام دے دو۔ خدا اور رسول کو گواہ بنا

کر جو عہد کیا ہے' اسے نبھا دو جبکہ وہ خود بھی طلاق نہیں چاہتی۔ لیکن تمہارے ابا نہیں مانتے حالانکہ اس روز......''

وہ کھو سی گئیں اپنے آپ میں گم ہو گئیں اور ان کی آواز سرگوشی کی طرح ہو گئی۔

''اس روز میں نے ان کی آنکھوں میں اس کے نام پر کوندا سا لپکتے دیکھا تھا۔ بس ایک لمحے کو......اور پھر جیسے خود بخود فیصلہ ہو گیا...... میں نے بہت چاہا ہے ندا بیٹا! کہ میں سب کو تمہارے باپ سے دور نہ لے کر جاؤں......اور اس صورت حال کو قبول کر لوں لیکن نہ تو میرا دل مانا ہے اور نہ......تمہارے ابا میرے ہوتے ہوئے فلک ناز کو اپنائیں گے۔ سو میں نے تمہارے نانا ابا کو لکھ دیا ہے کہ ہم کچھ روز تک آ رہے ہیں۔''

''اماں۔'' میں پتھرائی آنکھوں سے اماں کو دیکھ رہی تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ میں اماں کے فیصلے کو سراہوں یا اس پر احتجاج کروں۔ کیا اماں بہت عظیم تھیں۔

یا ابا عظیم تھے۔ یا یہ سب قدرت کے کھیل تھے اور یونہی ہونا تھا سب اور مقدر میں یونہی لکھا تھا۔ پھر بھی میں نے اپنی طرف سے ہر وہ کوشش کی جو کر سکتی تھی۔

لیکن اماں نے اس کے بعد اس موضوع پر کوئی بات ہی نہ کی۔

اگر کچھ کہا بھی تو بس اتنا کہ تم اپنے ابا سے زیادہ قریب ہو...... اور وہ بھی تمہیں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ تم چاہو تو رک جاؤ اپنے ابا کے پاس اور میری فکر نہ کرنا۔ شانی اور دعا تو ہوں گے نا میرے پاس اور پھر جب تمہارا دل چاہے تم آ جانا ملنے......تم یہاں رہو گی تو مجھے بھی تسلی رہے گی کہ تم ہو یہاں اپنے ابا کا خیال رکھنے کے لیے۔ ایک دم سب سے جدا ہونا ان کے لیے مشکل ہو گا۔''

اماں کیا چیز تھیں' میں نہ سمجھ سکی۔

وہ ہولے ہولے اپنی چیزیں سمیٹ رہی تھیں۔ صرف اپنی ضرورت کی اور استعمال

کی چیزیں۔ دعا اور ذیشان بھی اپنی پیکنگ کر رہے تھے۔ اور اماں کو اب کوئی بھی نہیں روک سکتا تھا۔

یہ ابا سمیت ہم سب نے جان لیا تھا۔ میں نہ ابا کو چھوڑ سکتی تھی۔ نہ اماں کو اور مجھے لگتا تھا جیسے میرا دل میرا ساتھ چھوڑ جائے گا۔ کاش اماں نہ جائیں اور کاش کوئی اماں کو روک سکتا۔

ابا بھی مایوس ہو چکے تھے اور از حد دل گرفتہ' ایسے میں فلک ناز نے ایک بار پھر اماں کے پاؤں پکڑ لیے۔

''خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں اور یہ گھر چھوڑ کر نہ جائیں۔ دعا' ندا اور شان سے ان کا باپ نہ چھینیں۔ میں نے باپ سے دوری کا عذاب سہا ہے۔ میں جانتی ہوں اس کرب کو...... پلیز میں نے جو کچھ کہا تھا۔ اسے ایک نادان اور بیوقوف لڑکی کی حماقت سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔ دراصل اماں نے مجھے کچھ اس طرح یقین دلایا تھا کہ اب بھی گھر میرا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ میں ان کا خیال رکھوں ہمیشہ کہ انہوں نے بہت بڑی قربانی دی ہے۔ سو میرے دل میں۔''

وہ زور زور سے رونے لگی۔ دھاڑیں مار مار کر۔

''مجھے معاف کر دیں پلیز...... مجھے تو کچھ نہیں پتا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ اس وقت...... میں چلی جاؤں گی اس گھر سے خود ہی اور پھر کبھی اپنی شکل تک نہ دکھاؤں گی۔ آپ ان سے کہیں' مجھے فی الحال میرے پرانے ہمسایوں کے گھر چھوڑ آئیں......خالہ کے پاس۔ وہ بہت اچھی ہیں...... پھر۔''

اماں خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہیں۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آہستگی سے کہا۔

''میں تم سے ناراض نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے تم سے گلہ ہے۔ یہ سب مقدر کے کھیل ہیں۔ جو بگڑ گیا ہے۔ وہ اب سنور نہیں سکتا۔ کبھی بھی نہیں۔ ہاں یہاں جو ویرانی ہو جائے گی۔ اسے تم جلد بدل دو گی۔ ان کا خیال رکھنا۔ ٹوٹے ہوئے اور زخمی دلوں کو زیادہ توجہ اور محبت کی ضرورت ہوتی ہے۔''

پھر اماں اس کے پاس سے اٹھ آئیں۔ تو اس نے میرے ہاتھ تھام لیے۔

''ندا! تم ہی اماں کو سمجھاؤ۔ میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔''

لیکن اماں کو سمجھانا ناممکن تھا۔ اماں نے رخت سفر باندھ لیا تھا۔ ابا چاہتے تھے کہ وہ ساتھ چھوڑنے جائیں لیکن اماں نے منع کر دیا۔

''نہیں شان ہے نا ساتھ اور پھر وہاں ابا جان آئے ہوں گے ریسیو کرنے۔''

صبح پہلی فلائٹ سے ابا نے ہماری سیٹیں بک کروا دی تھیں۔ اور رات تک میں فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اماں نے مجھے ابا کے پاس رکنے کو کہہ دیا تھا اور ابا۔

انہوں نے مجھ سے کہا تھا۔ کہ مجھے اماں کے ساتھ رہنا چاہیے۔ شان اور دعا چھوٹے ہیں۔ نانا بوڑھے۔ اور اماں کو میری ضرورت ہے۔

''ابا۔!'' میں ان سے لپٹ گئی اور آنسو خود بخود میرے رخساروں پر پھسل آئے۔

ابا بہت دیر تک مجھے لپٹائے رہے۔ ضبط گریہ سے ان کی آنکھیں لال سرخ ہو رہی تھیں۔

''اپنی اماں کا بہت خیال رکھنا۔ دعا اور شان کا بھی۔ اس عمر میں بچے بگڑ جاتے ہیں۔ اگر باپ کا سایہ نہ ہو تو۔ میں خبر لیتا رہوں گا...... میں تمہیں تنہا نہیں کروں گا ندا! تم وہاں ہو گی تو میں یہ امید رکھوں گا کہ شاید کسی دن تم اپنی اماں کو واپس لے آؤ۔ اور شاید کسی دن۔''

ان کی آواز بھرا گئی۔

''مجھے تمہاری بہت ضرورت ہے۔ تم میری دوست ہو۔ تم میری بات سمجھتی ہو بالکل اپنی اماں کی طرح۔ میں جانتا ہوں تمہاری اماں نے تمہیں یہاں میرے پاس رہنے کو کہا ہے...... ضرور کہا ہوگا۔ کیا میں اسے نہیں جانتا' کیا مجھے نہیں پتا اس کا......''

آنسو ان کی پلکوں سے ٹوٹ کر میرے ہاتھوں پر گرے تو میں پھر ان سے لپٹ کر رونے لگی۔

جو فیصلہ میں نہیں کر پا رہی تھی' وہ ابا نے کر دیا۔ اماں نے مجھے اپنے ساتھ جاتے دیکھ کر کچھ نہیں کہا۔ بس خاموشی سے مجھے دیکھا۔ فلک ناز مسلسل روتی اور معافیاں مانگتی رہی۔

''میں نے ایسا نہیں چاہا تھا ندا...... ! ایسا ہرگز نہیں چاہا تھا۔ میں نے تو بس ایک چھوٹی سی خواہش کی تھی۔''

''ڈیٹس او کے...... فلک'' میں نے ٹھہر کر کہا۔

''ابا کا بہت خیال رکھنا۔''

میں نے آتے ہوئے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا۔

اور وہ مسلسل روتی رہی۔ ابا ایئر پورٹ تک ہمیں چھوڑنے گئے۔ اور باری باری ہم تینوں کو اپنے ساتھ لپٹا کر ہمارے سروں پر پیار کیا اور پھر اماں کی طرف دیکھا۔

''اچھا شہر بانو...... ! خدا حافظ۔''

اور پھر تیزی سے رخ موڑ لیا۔ دعا کے آنسو مسلسل بہہ رہے تھے۔ ذیشان خاموش تھا اور میں بھی خاموش تھی لیکن میں نے اماں کے ہاتھوں کو مضبوطی سے

تھام رکھا تھا۔

''اچھا تھا ندا! تم رہ جاتیں اپنے ابا کے پاس۔ وہ تو بالکل ہی تنہا ہو گئے ہیں۔''

ان کے لہجے مین تاسف تھا۔ ابا کے لیے ہمدردی تھی۔ لیکن وہ اپنے فیصلے میں اٹل تھیں۔

میں خاموش ہی رہی لیکن اپنے ہاتھوں میں دبے ان کے ہاتھوں کو میں نے اور مضبوطی سے تھام لیا۔

◉

نانا ابا ہماری اس اچانک آمد پر از حد خوش ہوئے تھے اور بار بار ابا کا پوچھ رہے تھے۔ لیکن اماں نے ٹال دیا۔

''یہ اچانک پروگرام کیسے بن گیا شہر بانو؟''

گھر پہنچ کر آرام سے بیٹھتے ہوئے انہوں نے دوبارہ پوچھا تو اماں نے مختصراً سب بات انہیں بتا دی۔ نانا ابا ایک دم خاموش ہو گئے۔

''یہ مستجاب نے ایسا کیوں کیا۔ اور پھر تمہیں اس طرح گھر چھوڑ کر نہیں آنا چاہیے تھا بیٹا۔! بچے ڈسٹرب ہوں گے۔''

''وہاں بچے زیادہ ڈسٹرب تھے ابا جان۔ اور پھر مجھے یوں لگتا تھا جیسے اگر مَیں کچھ اور دن وہاں رہی تو میرے دماغ کی رگیں پھٹ جائیں گی۔''

اماں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور پہلی بار میں نے اماں کو روتے دیکھا شاید اپنے ابا جان کو دیکھ کر ضبط کے بند ٹوٹ گئے تھے۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے شہر بانو"! نانا ابا نے انہیں اپنے ساتھ لگا لیا۔ "تم پریشان مت ہو۔"

نانا ابا کا گھر بہت خوبصورت تھا۔ خوبصورت بڑا سا لان۔ جس کے اطراف طرح طرح کے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ نانا ابا کو باغبانی کا بہت شوق تھا اور ان کا بیشتر وقت باغبانی میں گزرتا تھا۔

وہ پہلے ریڈیو پاکستان کوئٹہ میں کام کرتے تھے اور آج کل ٹی۔ وی سے منسلک تھے۔ اور چونکہ وہ کافی سینئر تھے' اس لیے سب ہی ان کا احترام کرتے تھے۔ چھٹیوں میں ہم ہمیشہ یہاں آتے اور خوب انجوائے کرتے تھے۔ تب ابا بھی ساتھ ہوتے تھے۔ ابا کی جاب کی وجہ سے ہم زیادہ تو نہیں رک پاتے تھے لیکن ہفتہ دس دن ضرور رکتے تھے۔ حالانکہ ابا کہتے بھی تھے اماں سے کہ وہ چاہیں تو نانا ابا کے پاس رک جائیں۔ لیکن اماں کبھی نہیں رکی تھیں۔

"نہیں۔ آپ کو تکلیف ہوگی۔ کھانے کا مسئلہ ہوگا۔ بازار کا کھانا آپ کے معدے میں جلن پیدا کرتا ہے۔"

اور یہ پہلی بار تھا کہ ہم ابا کے بغیر یہاں آئے تھے۔ اور ان کے بغیر کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ نانا ابا یہاں اکیلے رہتے تھے۔

نانی جان تو اماں کی شادی کے کچھ عرصہ بعد ہی وفات پا گئی تھیں۔ میں نے انہیں نہیں دیکھا تھا۔

البتہ عباس ماموں سے میری بہت بنتی تھی۔ ماموں تھے بھی بہت جولی اور شریر سے..... اور پھر یوں ہوا کہ ماموں باہر چلے گئے اور وہاں ہی ایک پاکستانی فیملی میں شادی کر لی تھی اور اب عرصہ سے اسٹیٹس میں تھے..... اور کبھی کبھار سالوں بعد

چکر لگاتے تھے۔ اب بھی انہیں پاکستان آئے تقریباً سات سال ہو چکے تھے۔ وہ اماں سے چار سال چھوٹے تھے..... اپنی شادی کے بعد وہ صرف ایک بار ہی آئے تھے..... سو نانا ابا یہاں ایک ملازم کے ساتھ رہتے تھے۔ اگر کبھی اماں نے کہا بھی کہ عباس کو بلوا لیں تو وہ ہنس دیتے۔

"نہیں بیٹا۔! اسے اپنی مرضی سے زندگی گزارنا ہے۔ یہاں کیوں خوار ہو۔ اور پھر یہاں کیا رکھا ہے۔"

"لیکن ابا جان! آپ اتنے اکیلے ہوتے ہیں۔"

"کہاں بھئی' میلا لگا رہتا ہے ہر وقت۔ اکیلا کہاں ہوتا ہوں۔"

"نانا ابا! آپ شادی کر لیں۔"

پچھلی چھٹیوں میں ہی میں نے انہیں مشورہ دیا تھا۔

"ابھی آپ تقریباً ساٹھ سال کے ہی تو ہیں اور لوگ تو اسی سال کی عمر میں بھی شادی کر لیتے ہیں۔"

"شہر بانو! تمہاری بیٹی مجھ سے مار کھائے گی۔"

اماں اور ابا مسکراتے رہے تھے اور میں بہت سنجیدگی سے نانا ابا کے لیے لڑکیاں تجویز کرتی رہی تھی۔ میرے دل کو اچانک کچھ ہونے لگا تو میں اٹھ کر باہر پورچ کی سیڑھیوں پر آ کر بیٹھ گئی۔ اور لان میں خان لالہ کو پانی دیتے دیکھنے لگی..... بظاہر میں خان لالہ کو دیکھ رہی تھی لیکن میرا ذہن کہیں اور تھا۔ میں ابا کے متعلق سوچ رہی تھی اور اس وقت ابا پتا نہیں کیا کر رہے ہوں گے۔

شاید وہ بہت زیادہ اداس ہوں گے۔

شاید وہ روئے بھی ہوں۔

اور فلک ناز۔

فلک ناز جس کی وجہ سے ہمارے گھر کا سارا سیٹ اپ خراب ہو گیا تھا۔ وہ پتا نہیں کیا کر رہی ہو گی۔ اب جبکہ اس کی وجہ سے ہمیں اپنا گھر چھوڑنا پڑا تھا پھر بھی مجھے اس پر غصہ نہیں آ رہا تھا۔

وہ کس قدر رو رہی تھی اور کتنی ہراساں ہو رہی تھی۔ اس نے ایک ایک کی منت کی تھی کہ وہ گھر چھوڑ کر نہ جائے حتیٰ کہ شان تک سے التجا کی تھی کہ وہ ہی اماں کو روک لے لیکن اماں۔

اماں کو سمجھنا کس قدر مشکل ہے۔

اور بظاہر اماں اب پرسکون لگتی تھیں جیسے انہوں نے فلک ناز کو قبول کر لیا تھا۔ لیکن ......شاید کسی بھی عورت کے لیے اپنے مرد کو شیئر کرنا مشکل ہوتا ہے۔

اور پھر اماں......

اماں نے تو شاید ابا سے عشق کیا تھا۔

یہ میرا خیال تھا۔

اور ابا......ابا نے بھی شاید اماں کو بے حد بے حساب چاہا تھا۔

میری آنکھیں گیلی ہو گئیں۔ مجھے ایک دم ابا یاد آ گئے تھے بے حد بے حساب۔ اور اس وقت ابا اور فلک ناز دونوں اتنے بڑے گھر میں اکیلے ہوں گے۔ اور پتا نہیں ابا اور وہ ایک دوسرے سے بات بھی کر رہے ہیں یا نہیں۔

اور فلک ناز تو اتنی ڈرپوک سی ہے۔ یقیناً ڈر رہی ہو گی۔

اگر کسی دن میں دعا اور شان کے پاس دیر تلک رک جاتی تھی تو وہ زرد زرد چہرے کے ساتھ بیٹھی ہوتی۔

''ارے تم سوئیں نہیں فلک ناز۔''

''نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے۔''

ایسے میں وہ بالکل کسی معصوم بچی کی طرح لگتی تھی مجھے۔

''دراصل میں کبھی الگ نہیں سوتی نا۔ ہمیشہ امی کے کمرے میں ان کے بیڈ کے ھ والے بیڈ پر سوتی رہی ہوں۔''

''اور اگر میں نہ آتی وہاں ہی رہ جاتی تو۔''

ایک لمحہ کے لیے میں نے سوچا......مگر نہیں پھر اماں کیلی ہو جاتیں......اور اماں کو وقت کتنی دلجوئی کی ضرورت ہے اور مجھے اماں کا خیال رکھنا ہے۔ ابا نے کتنی تاکید کی

برسوں کی رفاقت یوں پل بھر میں ختم ہو گئی تھی۔

بیس اکیس سال کا ساتھ۔

وہ گھر جہاں اماں دلہن بن کر گئی تھیں۔

جہاں میں، دعا اور پھر شان پیدا ہوئے تھے۔

جہاں زندگی کے بے شمار اچھے اور خوشگوار پل اماں نے گزارے تھے اور جسے اپنی ں سے سجایا اور سنوارا تھا۔ اس گھر کو یوں ہی کسی کے لیے چھوڑ کر چلے آنا آسان تو نہ اماں کے لیے۔

ابا کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ ایک چھوٹے بھائی تھے جو عرصہ سے اپنی فیملی ساتھ کراچی میں تھے۔

''ندا بیٹا! آپ ادھر بیٹھے ہیں۔''

نانا ابا نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھا تو میں نے چونک کر سر اٹھایا۔

نانا ابا میرے پیچھے کھڑے تھے۔ شاید انہوں نے میری آنکھوں کی نمی دیکھ لی تھی کہ ان کا مسکراتا چہرہ لمحہ بھر کے لیے بجھ سا گیا مگر پھر دوسرے لمحے ہی انہوں نے اپنے لہجے کو خوشگوار بنایا۔

''تو ہمارے بیٹے کے پیپر کیسے ہوئے؟''

وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئے۔

''ہاں تو ہمارے بیٹے نے اپنے لیے کوئی نانی تلاش کی...... کوئی اسمارٹ سی خوبصورت سی۔''

''نہیں نانا ابا!'' میں نے سر ہلا دیا۔ لیکن میرا دل بھر بھر آ رہا تھا۔ اور میں بمشکل ضبط کیے بیٹھی تھی۔

''یہ سب کیسے ہو گیا بیٹا! ابھی تک نہیں سمجھ سکا ہوں۔''

نانا ابا بے حد الجھے ہوئے تھے۔

''پتا نہیں نانا ابا۔''

بے اختیار میرے آنسو رخساروں پر ڈھلک آئے۔ نانا ابا نے مجھے ساتھ لگا لیا

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا چندا۔'' وہ ہولے ہولے مجھے تسلی دینے لگے۔

لیکن میں جانتی تھی کہ اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔

اماں نے جس طرح آتے ہوئے گھر پر حسرت بھری نظر ڈالی تھی۔ جس طرح گھر کے ایک ایک کونے میں بے چینی سے پھری تھیں۔ اس سے پتا چلتا تھا کہ اب وہ کبھی گھر واپس نہیں جائیں گی۔

اور یہی ہوا بھی تھا' وہ کبھی پھر لوٹ کر وہاں نہ گئیں۔ کتنے ماہ و سال گزر گئے تھے۔

شروع شروع میں تو ابا ہر ماہ چکر لگاتے تھے۔ فون تو ہفتے میں دو تین بار کرتے تھے۔ اور جب بھی ملنے آتے ایک بار ضرور اماں سے ساتھ چلنے کو کہتے لیکن اماں کے
س ان کے اس سوال کا کبھی کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔

پھر ہولے ہولے ان کا آنا کم ہو گیا...... کبھی تین ماہ' کبھی چار ماہ بعد لیکن فون
قاعدگی سے آتا...... خرچ بھی باقاعدگی سے بجھواتے اور پھر یوں ہوا کہ وہ دو سال کے
لیے اپنی کمپنی کی طرف سے ملک سے باہر چلے گئے۔ فلک ناز ان کے ساتھ گئی تھی۔
نے سے پہلے وہ ملنے آئے تھے۔ اور یہ پہلی بار تھی جب انہوں نے اماں سے یہ سوال
بں کیا تھا کہ وہ کب گھر چل رہی ہیں۔

ابا کے آنے پر ہمیشہ اماں چند منٹ کے لیے آتی تھیں۔ نگاہیں جھکائے جھکائے
ریت پوچھتیں اور پھر چلی جاتیں اور جب ابا جانے لگتے تھے تو خود ہی اماں کے پاس
تے اور پوچھتے تھے کہ وہ کب تک گھر چل رہی ہیں۔ اور اماں خاموش ہو جاتیں تھیں۔

شروع شروع میں نانا ابا نے اماں کو بہت سمجھایا تھا لیکن پھر وہ ان کی اس پتھر جیسی
پ نے انہیں بھی خاموش کرا دیا تھا۔۔۔۔

اور اب جب ابا دو سال کے لیے جا رہے تھے تو وہ ہم سب سے ملنے آئے
تھ۔ میں چند روز پہلے ہی اپنا فائنل کا ایگزام دے کر لاہور سے آئی تھی۔ اور میں نے اس
یلے سال میں پہلی بار ابا کے چہرے پر طمانیت دیکھی تھی۔ ان کی آنکھوں میں وہی مخصوص
ک تھی اور چہرے پر صحت کی سرخی اور وہ بہت اسمارٹ لگ رہے تھے۔ حالانکہ اس سے
لے وہ جتنی بار بھی آئے تھا' وہ بہت تھکے تھکے دل گرفتہ اور اداس لگتے تھے۔ میرے اندر
سے دل کا کوئی ایک کونا بھیگنے لگا۔

ابا نے جاتے جاتے بہت سی ہدایات دی تھیں اور سب کا بے حد خیال رکھنے کو کہا

تھا۔ وہاں جا کر بھی ابا نے ہمارا خیال رکھا تھا۔ روپے بجھوانا' کبھی کبھار فون کرنا وہ کبھی نہیں بھولے تھے۔ لیکن اس کے باوجود میرے دل کو جیسے یقین سا ہو گیا تھا کہ اب ابا نے ہمارے بغیر جینا سیکھ لیا ہے۔

اماں کا چہرہ بھی بالکل بجھ کر رہ گیا تھا۔

ان دنوں مجھے اماں پر بے حد غصہ آتا تھا۔

آخر کیوں وہ سب کچھ چھوڑ کر چلی آئیں تھیں۔

اگر وہ وہاں ہی رہتیں تو ابا ہمیشہ ہمارے رہتے ،صرف ہمارے ۔۔۔۔لیکن اماں ۔۔۔۔اماں کے من میں کیا تھا۔

یہ تو وہ خود ہی جانتی تھیں لیکن جو کچھ میں جانتی تھی وہ یہ تھا کہ اماں ابا سے بے حد پیار کرتی ہیں۔

میرے پریولیس کا رزلٹ آیا تو نانا ابا نے کہا۔ میں مائیگریشن کروالوں ۔۔۔۔کراچی یونیورسٹی میں یا۔۔۔۔''

لیکن اماں نے کہا۔

''نہیں' یہ اپنی ایجوکیشن وہاں پنجاب یونیورسٹی سے ہی مکمل کرلے۔''

''لیکن'' نانا ابا نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا۔

''وہاں گھر ہے اپنا۔۔۔۔باپ ہے اس کا وہاں۔''

نانا ابا نے حیرت سے انہیں دیکھا تو اماں نے نظریں چرالیں۔

میں جانتی تھی کہ اماں چاہتی ہیں کہ میں کچھ عرصہ ابا کے پاس رہ لوں ۔۔۔۔وہ جو ہم سب کی جدائی سے انتہائی دل گرفتہ ہو رہے تھے۔۔۔۔اور کچھ کمزور بھی۔

''لیکن میں آپ کے بغیر اس گھر میں نہیں رہوں گی۔'' بلکہ میں ہاسٹل میں رہوں

گی۔ میں نے بھی کہہ دیا تھا اماں حیران ہوئیں۔

''مگر ندا بیٹا! تم تو اپنے ابا سے بہت اٹیچ ہو۔ پھر فلک ناز سے بھی تمہاری بہت بنتی ہے۔''

میرے پاس اماں کی بات کا کوئی جواب نہ تھا۔ اب فلک ناز کی حیثیت بدل چکی تھی۔ شاید میں اس نئی حیثیت کے ساتھ اسے ۔۔۔قبول نہ کرسکتی ۔۔۔۔پہلے وہ ہمارے گھر میں تھی اور اب اگر میں جاتی تو اس کے گھر میں جاتی۔

اماں نے یہ کتنی بڑی غلطی کی تھی۔

بعض اوقات انسان کی انا اسے کتنا خوار کرتی ہے۔اور وہ کبھی کبھی کتنا پچھتاتا ہے۔

لیکن میں نے اماں کے چہرے پر کبھی پچھتاوا نہیں دیکھا۔۔۔۔وہ بہت مطمئن تھیں۔ وہ اپنے تئیں خود کو بالکل صحیح سمجھتی تھیں۔ لیکن ہم سب کے کتنے نقصان ہو گئے تھے ،اس کی کسی کو خبر نہ تھی۔ نہ اماں کو نہ ابا کو۔

شان تو اتنا سنجیدہ ہو گیا تھا کہ مجھے اس کی سنجیدگی سے خوف آتا تھا۔

اور دعا چڑ چڑی۔ ذرا ذرا سی بات پر کاٹ کھانے کو دوڑتی تھی ......اور میں مجھے پتا ہی نہیں چل رہا تھا کہ میرے اندر کیا تبدیلیاں ہو رہی ہیں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہوا ضرور تھا' میری فرینڈز اکثر کہتی تھیں۔

''ندا! تم بہت بدل گئی ہو۔ ایک دم۔ پہلے تو ایسی نہ تھیں۔''

میں پہلے کیسی تھی اور اب کیسی ہو گئی تھی۔ مجھے اس کا کوئی علم نہ تھا۔ لیکن میں ابا کے اسرار کے باوجود گھر نہیں گئی تھی اور ہاسٹل میں ہی رہائش اختیار کی تھی ......ابا ہر ویک اینڈ پر مجھ سے ملنے آتے۔ ڈھیروں چیزیں لے کر آتے جو فلک ناز اپنے ہاتھ سے بنا کر بھیجتی تھی۔ مجھے فلک ناز سے گلہ نہیں تھا۔

مجھے کبھی اس سے نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی۔

کبھی غصہ نہیں آیا تھا۔ بلکہ میں اسے تقدیر کی ہی ستم ظریفی سمجھتی تھی۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس ایک سال کے دوران ایک بار بھی میرا دل اس سے ملنے کو نہیں چاہا اور نہ ہی اس کے ہاتھ کی بنی ہوئی کوئی چیز کھانے کو چاہتا تھا۔ میں سب اشیاء لڑکیوں میں بانٹ دیتی تھی۔

شاید پہلے روز جب ابا مجھ سے ملنے آئے تھے تو جب میں ابا کے ساتھ باہر ہاسٹل کے گیٹ تک آئی تھی تو ابا کی گاڑی کی طرف میری نظریں اچانک ہی اٹھی تھیں وہ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی..... سلیقے سے بال بنائے' میک اپ کیے اور اس کی آنکھوں میں جگر جگر جگنو چمک رہے تھے۔ ہونٹوں پر دلفریب سی مسکراہٹ تھی اور پورا چہرہ کسی نامعلوم خوشی کے احساس سے دمک رہا تھا..... اور اسی وقت میرے دل کا ایک کونہ جیسے کہیں ٹوٹ کر گر گیا تھا۔ اور میرے اندر برسات ہونے لگی تھی.....

میں تعلیم مکمل کر کے آئی تو ابا باہر چلے گئے اور نانا ابا ریٹائر ہو گئے۔ شان اور دعا پڑھ رہے تھے۔ میں زیادہ وقت شان کو دیتی تھی۔ وہ اب میٹرک میں آیا تھا اور میری خواہش تھی کہ وہ اماں کی خواہش کے مطابق میڈیکل میں جائے اور اس کے لیے ابھی سے بنیاد بنتی تو اچھا تھا۔ اور ابا بھی جب فون کرتے' خاص طور پر تاکید کرتے تھے کہ میں شان کا بہت بے حد خیال رکھوں۔ لڑکوں کے لیے یہ بہت خطرناک ایج ہوتی ہے۔

ایک روٹین سی بن گئی تھی..... اور زندگی اب اسی طرح گزر رہی تھی ابا کے بغیر..... البتہ نانا ابا تھے جو ابا کی طرح ہی ہر بات کا خیال رکھتے تھے۔

اور اگر نانا ابا بھی نہ ہوتے تو کئی بار میں نے سوچا تھا۔

''عباس ماموں کا فون آ گیا کہ وہ اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آ رہے ہیں۔

نانا ابا خوش تھے۔ اور میں جو روز ان سے کہتی تھی کہ عباس ماموں بھی ان لوگوں کی طرح ہیں جو باہر جا کر اپنا وطن' ماں باپ' بہن بھائی سب بھول جاتے ہیں..... ان کی اس اچانک آمد پر از حد حیران بھی تھی اور خوش بھی..... کہ جب سے ہم آئے تھے' یہاں زیادہ سے زیادہ دو یا تین بار ماموں کا فون آیا تھا بس..... جبکہ نانا ابا ہر روز ان کے فون کا انتظار کرتے اور سونے سے پہلے فون سیٹ اپنے قریب رکھ کر سوتے کہ اگر دیر سے انکا فون آئے تو کہیں ان کی آنکھ نہ کھلے۔ اور اب ان کی خوشی دیدنی تھی۔

اور ہم سب ان کی خوشی میں خوش تھے۔ اماں بھی بہت خوش تھیں۔ خوشی ان کے پورے وجود سے پھوٹتی دکھائی دیتی تھی۔ انہیں عباس ماموں سے بہت محبت تھی۔ وہ اماں سے صرف دو سال چھوٹے تھے۔ اور اماں بتاتی تھیں کہ ان کی اماں سے بہت دوستی اور محبت ہوا کرتی تھی۔ سو اماں نے نئے سرے سے گھر کی صفائی کی تھی۔ ماموں کے کمرے میں وائٹ واش کروایا تھا۔ ان کی تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا بڑی بیٹی دعا کی ہم عمر ہو گی۔ نانا ابا نے بتایا تھا۔ اور ہمیں ان سب کی تصاویر دکھائی تھیں۔ وہ تینوں ہی بہت پیاری تھیں اور ممانی بھی خوبصورت تھیں۔ دعا' شان سب ہی بہت خوش تھے کہ اب گھر میں خوب رونق رہے گی۔ لیکن بعض اوقات ایسا نہیں ہوتا جیسا ہم سوچتے ہیں۔ ماموں کی بیٹیاں فاطمہ' ماریہ' عاشی تینوں ہی انتہائی مغرور تھیں۔ عثمان البتہ اپنی دنیا میں مست رہنے والا تھا..... اور ممانی' ان کا رویہ تو چند دن بعد ہی انتہائی ہتک آمیز ہو گیا تھا.....

اور ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ احساس میرے دل میں یہ جڑ پکڑتا جا رہا تھا کہ اماں نے ابا کے گھر سے آ کر کتنی غلطی کی ہے..... کاش..... اے کاش! میں اس وقت اماں کو وہاں روک لینے پر قادر ہوتی۔

ایک دو بار میں نے اماں سے دبے دبے کہا بھی کہ۔ ہم واپس چلے جائیں اپنے گھر'

ابا کا فون آئے تو میں کہہ دوں۔ لیکن اماں نے سختی سے منع کر دیا۔ "تم جانا چاہو تو چلی جاؤ۔" وہ کہتیں۔

مجھے ہمیشہ اس بات کا رنج رہا کہ اماں نے مجھے کبھی نہیں سمجھا۔ وہ ہمیشہ ہی سمجھتی رہیں کہ میں ابا سے زیادہ محبت کرتی ہوں حالانکہ مجھے اماں سے بھی اتنی ہی شدید محبت تھی جتنی ابا سے۔ بس اس سارے معاملے میں مجھے ابا کا کوئی قصور نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ باتیں انسان کے اختیار میں نہیں ہوتی ہیں...... ان کے فیصلے اوپر ہوتے ہیں آسمانوں پر۔

اور سچ تو یہ ہے کہ اگر اماں اپنے رویے میں تھوڑی سی لچک پیدا کر لیتیں تو شاید ہم یوں بے گھر نہ ہوتے...... فلک ناز کی کہیں اور شادی ہو جاتی۔ اور کچھ عرصہ بعد اپنے بچوں میں الجھ کر وہ ابا کو بھول جاتیں......

ابا کا یہ خیال مجھے بالکل صحیح لگتا تھا کہ اس نے مرد سے وابستہ رشتوں کی محبتیں نہیں دیکھی تھیں...... اس لیے اس پہلے رشتے کو ہی وہ سب کچھ جان بیٹھی تھی۔

مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔

ممانی کا لہجہ ان کی زبان سے نکلے لفظ۔

میں حیران ہوتی کہ کیا یہ اتنے تہذیب یافتہ ملک سے آئی ہیں۔ ان کی زبان تو کسی دیہاتی علاقے کی جاہل عورت سے زیادہ تیز اور جاہلانہ تھی۔ جب بھی وہ کوئی بات کہتیں ۔ نانا ابا شرمندہ ہو جاتے۔

"شہر بانو! تمہارا تو دل بہت بڑا ہے نا۔" وہ اماں سے کہتے۔ "محسوس نہ کرنا۔"

"نہیں ابا جان! میں محسوس نہیں کرتی بالکل۔"

عباس ماموں سب کچھ دیکھتے لیکن خاموش رہتے تھے۔ نانا ابا تو بالکل چپ سے ہو

گئے تھے۔ عباس ماموں کے آنے سے پہلے جو خوشی کے جگنو ان کی آنکھوں میں چمکتے تھے وہ بجھ گئے تھے۔

ماموں جان پاکستان میں سیٹل ہونے کے لیے آئے تھے۔ سو وہ اپنے بزنس کے سلسلے میں زیادہ تر کراچی میں رہتے تھے اور ممانی کو موقع مل جاتا تھا۔

ہر وقت جگہ کی تنگی اور سب کے الگ الگ بیڈ روم نہ ہونے کا رونا۔

حالانکہ ہم سب ایک بڑے کمرے میں منتقل ہو چکے تھے۔ جو نانا ابا کے کمرے کے ساتھ ہی منسلک تھا۔ پھر بھی...... نانا ابا کبھی کبھی ٹی۔ وی اسٹیشن چلے جاتے تھے۔ یونہی گھبرا کر۔ ممانی انہیں بھی نہیں بخشتی تھیں۔ کبھی کبھی میں بھی ان کے ساتھ چلی جاتی اور وہ وہاں مجھے سب دکھاتے رہتے تھے۔

"اور یہ عباس کی پسند کیسی ہے۔ مجھے اس کی کم عقلی پر حیرت ہے۔" راستے میں وہ مجھ سے بہت باتیں کرتے۔ "اور صرف حسن ہی تو سب کچھ نہیں ہوتا۔ عباس کو اور بھی بہت ساری باتوں کو دیکھنا چاہیے تھا۔"

انہیں ازحد افسوس تھا اس بات کا کہ عباس ماموں کا انتخاب بہت غلط تھا...... شادی کے بعد وہ دوسری بار آئے تھے۔ پہلی بار جب وہ آئے تھے تو صرف پندرہ دن رہے تھے اور ان پندرہ دنوں میں انہیں ممانی کے مزاج کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا۔

"مجھے تم لوگوں کی بہت فکر ہے۔" وہ اکثر کہتے۔ "شہر بانو سے سخت ناعاقبت اندیشی کی...... لیکن وہ بچپن سے ایسی ہی ہے...... بے لچک...... اگر کوئی فیصلہ کر لیتی تھی تو تبدیل نہیں کرتی تھی...... چاہے کتنا ہی نقصان کیوں نہ اٹھانا پڑے۔ میں خود مستجاب سے بات کرتا ہوں...... بیٹا! جب فون آئے تو مجھے ضرور بتانا...... مجھے شان کی بہت فکر ہے۔ وہ بہت خاموش ہوتا جا رہا ہے۔"

لیکن نانا ابا کو ابا سے بات کرنے کی مہلت ہی نہ ملی۔ ایک روز شام کے وقت جب وہ اپنے لان میں پودوں کو پانی دے رہے تھے کہ اچانک انہیں دل کا دورہ پڑا اور ڈاکٹر کے پاس جانے سے پہلے ہی وہ ختم ہو گئے۔

وہ اتنے چاق و چوبند اور صحت مند تھے۔

زندگی سے بھرپور

دیکھنے میں وہ پچاس سال سے زیادہ کے نہیں لگتے تھے۔شاید اماں کا دکھ ممانی کا رویہ اور عباس ماموں کی بے حسی کا غم ان کے دل میں بیٹھ گیا تھا...... اور یہی دکھ انہیں اپنے ساتھ لے گیا۔اماں کی حالت دیکھی نہ جاتی تھی۔

رو رو کے ان کی آنکھیں مسلسل سرخ رہنے لگی تھیں۔ دعا اور شان بھی سہمے ہوئے تھے۔

نانا ابا ہم سب سے کتنی محبت کرتے تھے بالکل ابا کی طرح۔

شفیق مہربان اور دوستوں جیسے نانا ابا۔میری تو ابا کی طرح ان کے ساتھ بہت دوستی تھی۔

وہ مجھ سے کتنی باتیں کرتے تھے۔

اپنے کولیگ کی' اپنی اور پھولوں کی۔ پھولوں سے ان کی بہت دوستی تھی۔ وہ کہتے تھے ندا...... پھول مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ بہت خوبصورت باتیں۔

اور بچپن میں جب میں کوئٹہ آتی تھی تو پھولوں سے کان لگا لگا کر ان کی باتیں سننے کی کوشش کرتی تھی۔اور پھر جب مجھے کچھ سنائی نہ دیتا تو نانا ابا سے شکایت کرتی۔

''نانا ابا! پھول مجھ سے تو باتیں نہیں کرتے۔''

''بھئی' وہ ان سے باتیں کرتے ہیں جو ان سے محبت کرتے ہیں۔ پہلے تم پھولوں

سے محبت کرنا سیکھو پھر وہ تم سے باتیں کریں گے۔''

اور یوں ہم نانا ابا کے بعد ممانی کی وجہ سے ادھر آ گئے انکل انصاری کے ہاں...... اور انکل انصاری بھی اگر نہ ہوتے تو۔

میری آنکھوں میں آنسو بھر گئے تھے۔اور میں نے اپنا سر جھکا لیا تھا۔

''ندا!'' اس نے میرے ہاتھوں کے اوپر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔''یہ زندگی ہے۔۔اور یہ انسان سے بعض اوقات بڑے بڑے امتحان لیتی ہے۔ میں ہوں نا اب تمہارے ساتھ' ہر قدم۔''

وہ مسکرایا تو میں نے بھی مسکرانے کی کوشش کی۔

''تھینک یو جازم! تم نے بھی بہت سہارا دیا۔ ان بیتے تین سالوں میں تمہارا ہونا بھی ایک ڈھارس تھا میرے لیے۔ایک تحفظ کا احساس ہوتا تھا۔''

''نو تھینکس' میڈم!'' اس نے اپنے ہاتھ ہٹا لیے۔

''ندا! تم نے ان تین سالوں میں ابا کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی۔''

''کی تھی جازم! کئی بار اپنے گھر فون کیا ہے۔ ممانی سے بار بار پوچھا ہے۔لیکن...... شاید ابا ہمیشہ کے لیے باہر ہی رہ گئے ہیں۔لیکن پتا نہیں کیوں جازم! مجھے یقین نہیں آتا کہ ابا نے ہمیں فراموش کر دیا ہوگا۔وہ ہمارے بغیر کیسے رہ رہے ہوں گے۔انہیں تو دو سال کے لیے باہر جانا مشکل لگ رہا تھا...... وہ ہر ہفتے فون کرتے تھے...... پتا نہیں ممانی نے ان سے کیا کہہ دیا ہوگا۔''

''ممکن ہے! ندا تمہاری ممانی نے انہیں کچھ غلط سلط بتا دیا ہو۔''

''مگر ابا ایسے نہیں تھے جازم......! وہ کسی کی غلط سلط پر یقین نہیں کرنے والے تھے۔وہ ایک بار تو ہمارے پاس آتے۔نانا ابا کی ڈیتھ کے بعد وہ بہت بے چین تھے اور انہوں نے مجھ سے کئی بار فون پر کہا تھا کہ اماں سے کہو وہ واپس آ جائیں...... اگر وہ کہیں

گی تو میں اب بھی فلک کو چھوڑ دوں گا۔ مگر پھر...... مجھے ڈر ہے جازم! کہ کہیں ابا......''
میری آواز بھرا گئی۔

''فضول مت سوچو...... ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ میں انشاء اللہ کچھ دنوں تک لاہور جا کر خود پتا کروں گا...... تم مجھے ایڈریس دینا۔ کیا خبر نمبر وغیرہ بدل گیا ہو...... اور جہاں وہ کام کرتے تھے' اس کمپنی کا بھی ایڈریس وغیرہ دے دینا۔

''نمبر تو شاید وہاں کے بھی بدل گئے ہیں۔ دو ایک بار میں نے ابا کے آفس فون کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کسی کے گھر کا نمبر تھا۔ ہاں وہ ایک غیر ملکی کمپنی میں کام کرتے تھے اسٹار انٹرنیشنل اماں کو صحیح پتا ہوگا۔''

''او کے بس...... اب بے فکر ہو جاؤ...... میں پتا کروں گا جلد ہی اور یار! اب کچھ اچھی سی میٹھی سی بات کر دو...... کوئی مستقبل کی...... کوئی......''

''فضول باتیں نہیں جازم...... اب پے کرو اور اٹھو۔ انصاری صاحب سے مجھے اس نئی ڈرامہ سیریل کے سیٹس کے بارے میں بات کرنا تھی۔''

''او کے میڈم!''

اس نے آہستہ سے سرخم کیا اور اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اندر ہی اندر احساس تفاخر سے پھول سے کھل اٹھے۔ یہ اس قدر اسمارٹ' اور اچھا آدمی مجھ سے محبت کرتا ہے...... مجھ سے' ندا مستجاب سے اور اس کے سنگ زندگی کتنی خوبصورت اور دل کش ہو جائے گی۔ اور سفر کتنا سہل۔

اعتراف کیا ہوا تھا۔ جازم کی نگاہوں میں تو جیسے بجلیاں بھر گئی تھیں۔ ہر وقت' ہر جگہ مجھے اس کی نگاہیں اپنا تعاقب کرتی محسوس ہوتیں...... ٹی۔ وی اسٹیشن پر گھر میں ہر جگہ۔

وہ انصاری صاحب کے ہاں آتا شطرنج کھیلنے تو اوپر کا چکر ضرور لگاتا۔ اور کبھی کبھی مجھے بھی ساتھ گھسیٹ لاتا۔ دعا اور شان سے اس کی بہت بنتی تھی۔

اماں کے پاس گھنٹوں بیٹھا گپ لگاتا اور اماں اس کی باتوں پر دھیمے دھیمے مسکراتی رہتیں۔ زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا تھا۔ سب نے ہی حالات کو قبول کر لیا تھا۔ کہ یوں ہے تو چلو یوں ہی سہی۔ اماں بھی اب بظاہر مطمئن سی لگتی تھیں۔ لیکن انہیں میری اور دعا کی بہت فکر تھی۔

''ندا کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔'' بیگم انصاری نے متعدد بار اماں سے کہا تھا ''اس کے لیے ایک لڑکا ہے میری نظر میں۔ بہت اچھا' بہت محبت کرنے والا۔''

میں اور اماں سمجھتے تھے کہ ان کا اشارا کس طرف ہے۔ اگر چہ انہوں نے واضح بات نہیں کی تھی کیونکہ میں نے ہی جازم سے کہا تھا کہ کم از کم اس وقت تک وہ ایسی کوئی بات سوچے بھی نہ جب تک شان ڈاکٹر نہیں بن جاتا اور دعا کی شادی نہیں ہو جاتی۔

''اف اتنا جان لیوا اور طویل انتظار۔ یار ہم دونوں مل کر ان ذمہ داریوں کو زیادہ احسن طریقے سے نبھالیں گے۔''

''اگر تمہیں یہ دعویٰ ہے جازم کہ تم مجھے سمجھتے ہو تو پلیز دوبارہ ایسی بات مت کرنا...... میں یہ کبھی نہیں چاہوں گی کہ شان کا سر ہمیشہ تمہارے سامنے جھکا رہے۔''

''او کے میڈم!'' سنجیدہ اور سو برسا جازم اب ہر وقت شرارت پر مائل رہتا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہر وقت کوئی نہ کوئی شوخ جملہ ہوتا۔

''جازم! تم کتنا بدل گئے ہو۔'' کبھی کبھی مجھے حیرت ہوتی۔

''جی جناب! یہ اس محبت کا کمال ہے جو ہمارے دل کے سنگھاسن پر قبضہ جما کر بیٹھ گئی ہے۔ اور ابھی تو جناب ہم اور بدلیں گے۔ ایک بار آپ کی رفاقت ہمارا نصیب تو بنے۔''

اور میں حیران ہوتی۔ کیا تھا مجھ میں۔ بہت عام سی لڑکی' گندمی رنگت' آنکھیں قدرے بڑی اور روشن۔

''ارے آپ کو کیا پتا' آپ کیا ہیں۔ یہ آپ کا دلکش سراپا' یہ صبیح رنگت' یہ کشادہ آنکھیں جن میں اتنی وسعتیں ہیں کہ ایک کائنات ڈوب جائے اور ہم تو معمولی سے بندے ہیں۔ جازم علی فاروقی ہماری کیا مجال تھی جو ہم ان وسعتوں میں گم نہ ہوتے۔ یہ روشن پیشانی اور یہ دلکش ہونٹ آپ تو سراپا حُسن ہیں نایاب جی! اور پھر اس حسین صورت کے اندر اتنا خوبصورت دل۔''

جازم کے سامنے ٹھہرنا محال تھا اب۔

وہ لفظوں میں شاعری کرتا اور شوخی اس کی آنکھوں میں ستاروں کی طرح دمکتی۔

''یہ سب کیا ہے جازم؟''

''یہ تو کچھ بھی نہیں ہے خاتون...... ! اس کا عشر عشیر بھی نہیں جو آپ کے لیے ہمارے دل میں ہے۔''

اور میں اتنی محبتوں پر جتنی بھی نازاں ہوتی کم تھا۔ اب تو رات کو بستر پر لیٹتی تو تھکن بھی محسوس نہ ہوتی۔

''اور یہ محبت ہے۔'' میں ہولے سے اپنے آپ سے کہتی۔

اور شاید ایسی ہی محبت فلک ناز نے بھی ابا سے کی ہوگی۔ ابا کبھی کبھی مجھے بے حد شدت سے یاد آتے اور ان کے ساتھ ہی فلک ناز کا بھی خیال آ جاتا۔

شان بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ اونچا لمبا' بالکل ابا کی طرح اس کا قد تھا۔ اگر چہ وہ اماں سے زیادہ مشابہ تھا لیکن پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی جھلک تھی اس میں ابا کی کہ جب وہ کھڑا ہوتا اور وہ جب بات کر رہا ہوتا۔ یا انہماک سے سر جھکائے پڑھ رہا ہوتا تو ایک دم ابا کا خیال آ جاتا تھا۔

اس روز شان بھی آیا ہوا تھا۔ اس کے کالج میں چھٹیاں تھیں اور میں نے اس کے آنے کی خوشی میں چھٹی کر لی تھی۔ میں اور دعا کچن میں گھسی اس کی پسند کے کھانے پکاتے ہوئے باتیں کر رہی تھیں۔

اس گھر میں آنے کے بعد دعا میں کتنی تبدیلی ہوئی تھی۔ کتنی سمجھدار ہو گئی تھی وہ اور کتنی ذمہ دار۔ کڑاہی کے لیے چکن دھوتے دیکھ کر میں نے سوچا۔

''ندا! کبھی کبھی میں سوچتی ہوں' ابا پتا نہیں کہاں ہوں گے۔ اور کیا فلک ناز نے انہیں روک رکھا ہے۔ تم تو عرصہ ایک ہی کمرے میں ان کے ساتھ رہی تھیں۔ کیا وہ ایسا کر سکتی تھیں۔''

''شاید نہیں دعا! لیکن آدمی کو بدلتے کون سی دیر لگتی ہے۔'' میں نے سلاد کی پلیٹ بنا کر فرج میں رکھی۔

''ہاں...... پھر...... میں سوچتی ہوں ندا! شاید فلک ناز اتنی بھی قصوروار نہیں تھیں اگر ہم عقلمندی سے کام لیتے تو معاملہ سنور سکتا تھا۔''

''ہاں شاید۔'' لیکن اب تو وقت گزر چکا تھا۔

''کچھ باتیں ہونا ہوتی ہیں دعا! اور وہ ہو کر رہتی ہیں' ہم تو انہیں روکنے کا اختیار نہیں رکھتے۔''

''کہیں ایسا تو نہیں ندا کہ ابا......''

''پلیز دعا! آگے کچھ مت کہنا۔'' میں نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا ''وہ جہاں کہیں بھی ہوں' اچھے ہوں۔ زندہ رہیں۔'' میری آواز بھرا گئی۔

''حازم نے کہا تو ہے کہ وہ کچھ دنوں تک لاہور جائیں گے' حیرت ہے مجھے اب تک پتا نہیں کیوں خیال نہیں آیا کہ خود لاہور جا کر ان کے دفتر سے پتا کروں۔ ان کے پاس تو ضرور ان کا ایڈریس وغیرہ ہوگا۔''

''حازم بھائی بہت اچھے ہیں۔''

''ہاں! میرے چہرے پر ایک ان دیکھی مسرت سی پھیل گئی جسے دعا نے بھی محسوس کیا۔

''اور میرا خیال ہے کہ وہ آپ کو پسند کرتے ہیں بہت زیادہ۔''

میرے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ تب ہی مسز انصاری مجھے اوپر آتی دکھائی دیں۔

'ارے یہ مسز انصاری آ رہی ہیں...... اور ان کے ساتھ کوئی اور بھی ہیں۔''

کھلے دروازے سے میں نے مسز انصاری اور ان کے پیچھے کسی اور خاتون کو آتے دیکھا۔ اور دعا کو بتا کر باہر نکل آئی۔

''آیئے آنٹی پلیز۔''

''کیسی ہو ندا بیٹے؟''

وہ میرے ساتھ ڈرائنگ روم میں آ گئیں اور انہوں نے اجنبی خاتون سے میرا تعارف کروایا۔

’’یہ بیگم رضا ہمدانی ہیں۔ رشتے میں میری کزن ہوتی ہیں۔ اور یہ ندا ہے' اس سے چھوٹی دعا ہے۔ بہت پیاری بچی ہے۔‘‘

میں انہیں بٹھا کر اماں کو بلا لائی اور خود کچن میں چلی گئی۔ تا کہ کچھ مشروبات وغیرہ لے آؤں۔

مسز انصاری یوں تو وقت بے وقت آتی رہتی تھیں۔ لیکن آج ان کی آمد ایک خاص مقصد کے لیے تھی۔۔ وہ بیگم رضا کے ساتھ دعا کے لیے آئی تھیں۔

اور بیگم رضا کو دعا بے حد پسند آئی تھی۔ تھی بھی تو وہ گڑیا سی نازک اور بے حد پیاری۔ گلابی رنگت پہ لمبی پلکوں والی بڑی بڑی آنکھیں اسے بہت دلکش بناتی تھیں۔ چہرے پر حد درجہ معصومیت۔ مسز رضا کا بس نہیں چلتا تھا کہ وہ اسی وقت اسے انگوٹھی پہنا جاتیں۔ اماں نے ان سے سوچنے کے لیے مہلت مانگی تھی۔

لڑکا انجینئر تھا اور گلف میں تھا۔ مسز انصاری نے اس کی طرف سے پوری یقین دہانی کروائی تھی۔

’’آپ بے فکر رہیں۔ دعا میری بھی تو بیٹی ہے۔‘‘

لیکن اماں متردد تھیں......

’’ندا بڑی ہے اس سے۔ پہلے۔‘‘

’’ارے!‘‘ مسز انصاری ہنس پڑیں۔ ’’آپ ندا کے لیے کیوں پریشان ہوتی ہیں۔ لڑکا گھر میں موجود ہے۔ میں نے تو اشاروں اشاروں میں کئی بار آپ کو بتایا ہے کہ...... دراصل ناظم بھائی نے تو کتنی بار مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ سے ندا کے لیے بات کروں لیکن پھر جازم نے ہی منع کر دیا کہ فی الحال ندا ایسا نہیں چاہتی جب تک شان کی ایجوکیشن ختم نہ ہو جائے۔ سو...... لیکن خیر' میں آج ناظم بھائی سے بات کروں گی......

تمہاری بات بھی مناسب ہے۔ دونوں کی منگنی کی چھوٹی سے تقریب کر دو اکٹھی۔‘‘

اماں جہاں خوش تھیں وہاں بے حد اداس بھی تھیں۔ شاید انہیں ابا کا خیال آ رہا تھا۔

اس روز شام کو جازم کے پاپا انصاری صاحب کے ساتھ اماں کے پاس آئے تھے۔۔

میں جازم کے پاپا سے پہلے بھی کئی بار مل چکی تھی۔ اکثر شامیں وہ انصاری صاحب کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوئے گزارتے تھے۔ وہاں ہی ایک شام انکل انصاری نے مجھے ان سے متعارف کروایا تھا۔

’’مزمل صاحب کی نواسی۔‘‘

انہوں نے نانا ابا کا افسوس کیا تھا اور کچھ دیر تک ان کی باتیں کرتے رہے تھے اور ان کے نایاب پھولوں اور پودوں کے متعلق پوچھتے رہے تھے کہ کیا وہاں کوئی ان کی دیکھ بھال کرنے والا ہے کہ نہیں۔

اور پھر ایک بار جازم بھی مجھے اپنے ساتھ لے گیا تھا گھر۔

اس روز میرا پروگرام شاپنگ کرنے کا تھا۔ موسم تبدیل ہو رہا تھا اور میں ندا اور اماں کے لیے کچھ شاپنگ کرنا چاہتی تھی میں نے صبح آتے ہی جازم کو بتا دیا تھا کہ مجھے آج شاپنگ کے لیے جانا ہے۔۔۔۔ سو ہم دونوں وقت سے کچھ پہلے ہی اٹھ آئے تھے اور شاپنگ سے بھی جلد ہی فارغ ہو گئے تھے۔

’’چلو ندا! آج تمہیں ایک ہستی سے ملواتے ہیں۔‘‘

’’کس سے؟‘‘

’’بھئی' یہ تو ابھی نہیں بتاؤں گا۔‘‘

اور پھر وہ مجھے اپنے ساتھ گھر لے آیا تھا ’’ان سے ملو ندا! یہ میرے پاپا ہیں۔‘‘

اپنی اسٹڈی میں اخبار پڑھتے ہوئے وہ بہت بارعب اور امپریسو لگ رہے تھے۔

انہوں نے عینک کے پیچھے سے مجھے دیکھا اور مسکرائے۔ ''السلام علیکم انکل۔''

''ارے ندا بیٹا! بیٹھو۔''

میں اندر ہی اندر نادم ہو رہی تھی کہ اس طرح جازم کے ساتھ آنے سے پتا نہیں وہ کیا سوچ رہے ہوں گے۔ اگر جازم پہلے ہی بتا دیتا کہ وہ پاپا سے ملانے لا رہا ہے تو میں اسے بتا دیتی کہ انکل انصاری کے ہاں میں ان سے مل چکی ہوں۔

''یہ تو اپنی ندا ہے بیٹا! اور تم تو آج اس لڑکی سے ملوانے کو کہہ رہے تھے جو۔''

''پاپا! یہی تو وہ ہے۔''

''اچھا اچھا!'' انہوں نے ایک سرسری نظر ڈالی۔ میں نے کن اکھیوں سے انہیں دیکھا' ان کے ہونٹوں کے گوشوں پر مسکراہٹ تھی اور آنکھوں میں ایک شریری چمک۔ کچھ دیر پہلے والا رعب و دبدبہ نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا۔ جازم پرامید نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''کیوں پاپا؟''

''ڈیٹس او کے ڈیئر۔''

''پاپا..... وہ..... وہ جسے آپ نے پسند کیا ہے میرے لیے۔ وہ ندا جیسی تو ہرگز نہیں ہے۔''

جازم نے ان کے کان میں سرگوشی کی جو سرگوشی ہرگز نہیں تھی۔

''نہیں خیر' ہے تو اسی جیسی بالکل۔''

''اچھا!'' جازم کا منہ لٹک گیا۔ وہ اس وقت بالکل بچوں کی طرح لگ رہا تھا۔ شاید اس کی خواہش تھی کہ پاپا کہہ دیں کہ ''نہیں ندا! بہت پیاری ہے بہت اچھی ہے۔

''وہ ہے کون پاپا؟'' وہ ان کے پاس ہی نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

''یار اب اس سے کیا بحث' بات تو تمہاری پسند کی ہے نا۔''

پاپا بے حد سنجیدہ تھے۔

''سوری پاپا!'' اس نے ان کے گھٹنوں پر اپنا سر رکھ دیا۔

''اے اٹھو! اپنی مہمان کو کچھ کھلاؤ پلاؤ گے نہیں۔''

وہ اٹھا لیکن میں نے دیکھا' وہ کچھ اداس لگ رہا تھا۔ میرے دل پر بھی جیسے اداسی کا گہرا سا گرنے لگا۔ ''سنو'' پاپا نے اسے روک لیا۔ اور خود اٹھ کر اس کے پاس چلے آئے اور اس کے کان پکڑ لیے۔

''اور تم بتا نہیں سکتے تھے مجھے الو کہ وہ ندا ہے۔ اور میں خواہ مخواہ شرمندہ ہوتا رہا' سوچتا رہا کہ اب بیگم انصاری سے کیسے معذرت کروں کہ اس بچی کو دیکھتے ہی میں اسے تمہارے لیے مانگ چکا تھا۔''

''اور آپ!'' جازم نے کان چھڑاتے ہوئے ان کی طرف دیکھا۔ ''اور کیا آپ نہیں بتا سکتے تھے کہ آپ کی پسندیدہ لڑکی ندا ہے۔ ندا مستجاب۔''

اور پھر وہ دونوں کھلکھلا کر ہنس پڑے۔ اور مجھے لگا جیسے میرے اردگرد پھول کھل اٹھے ہوں۔

اور پاپا مجھے اچھے لگے تھے۔ اپنے تمام تر رعب اور دبدبے کے باوجود جو ان کی شخصیت میں تھا۔ وہ بہت' شفیق اور مہربان تھے..... اور زندگی اس خوبصورت پھولوں والے گھر میں بہت سہل ہوتی۔

پاپا نے باقاعدہ طور پر مجھے اماں سے مانگا تھا اور طے یہ ہوا تھا کہ اتوار کو منگنی کی رسم ادا کر دی جائے اور تین ماہ بعد دعا کی تو رخصتی ہو جائے کیونکہ نوید کو واپس گلف جانا تھا اور وہ دعا کو ساتھ ہی لے کر جانا چاہتا تھا۔ جبکہ میرا فی الحال کوئی ارادہ نہ تھا۔ حالانکہ اماں تو چاہتی تھیں لیکن میں نے سختی سے منع کر دیا۔ اس رات مجھے ابا بہت یاد آئے تھے اور میں دیر تک تکیے میں منہ دیئے بے آواز روتی رہی تھی۔ اور میں نے سوچا تھا کہ صبح جازم سے کہوں گی کہ وہ آج ہی لاہور چلا جائے۔ کچھ تو پتا چلے..... ایک آس ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتی۔ مگر بعض اوقات بالکل انہونی باتیں ہو جاتی ہیں۔ اس صبح جب میں گھر سے نکلی تو مجھے گماں تک نہ تھا کہ ابا مجھے یہاں کوئٹہ میں نظر آ جائیں گے۔ میں شان کو بھیجنے کے لیے ڈرافٹ بنوا کر بینک سے باہر نکل رہی تھی اور ابا اندر جا رہے تھے..... یکدم انہیں دیکھ کر میری چیخ نکل گئی۔

''ابا!''

وہ ٹھٹک کر رک گئے..... اور لمحہ بھر وہاں ہی ساکت کھڑے رہے..... پھر ان کی آواز نکلی..... لرزتی اور کانپتی ہوئی سی آواز۔

''ندا..... ندا تم بیٹا! یہ تم ہی ہو نا۔''

انہوں نے ہاتھ اٹھا کر میری طرف اشارا کیا..... ان کی انگلی واضح طور پر کانپ رہی تھی..... یکایک ان کے پورے وجود پر کپکپی سی طاری ہو گئی۔

''ابا!'' میں دوڑ کر ان سے لپٹ گئی۔

''ابا..... ! کیوں چھوڑ دیا تھا آپ نے ہمیں۔ کیوں بھلا دیا تھا۔'' میں روئے چلی جا رہی تھی۔ ابا کی آنکھوں میں بھی آنسو تھے۔

''میں نے کب فراموش کیا میری جان! میں نے کب۔''

وہ سختی سے مجھے اپنے ساتھ لپٹائے ہوئے تھے۔ پھر اچانک مجھے خود ہی احساس ہوا کہ آس پاس سے گزرتے لوگ نہ صرف یہ کہ ہمیں دیکھ رہے ہیں بلکہ کچھ لوگ تو رک بھی گئے تھے۔ میں آہستگی سے الگ ہوئی۔ اور ابا کا ہاتھ پکڑ کر باہر آ گئی..... ابا کسی روبوٹ کی طرح میرے ساتھ چل رہے تھے۔ اور چلتے چلتے وہ رک کر مجھے بے یقینی سے دیکھنے لگتے تھے۔ ابھی تک انہوں نے کسی کے متعلق نہیں پوچھا تھا۔

''ابا! آپ کے پاس اپنی کنوینس ہے یا ٹیکسی روکوں۔''

''ہاں ہے۔'' وہ چونکے ''کہاں جانا ہے؟''

انہوں نے پوچھا۔

''تم کہاں رہتی ہو کس کے پاس..... اور تم مجھ سے بات کیوں نہیں کرتی تھیں۔ کتنے فون کیے میں نے..... میں تو یہی سمجھا تھا تم بھی..... تم بھی چلی گئی ہو سب کے

ساتھ......لیکن مجھے یقین نہیں آتا تھا...... میری غلطی اتنی بڑی تو نہ تھی کہ جس کی اتنی بڑی سزا ملتی مجھے۔'' ان کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

''ابا......! کہیں کچھ گڑبڑ ہے۔''

میں نے ان کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھام لیا۔

''شاید آپ کو کچھ غلط بتایا گیا ہے۔ آرام سے گھر چل کر بات کرتے ہیں...... آپ اپنا بتایئے گا۔ میں اپنا بتاؤں گی...... چار بیتے سالوں کی روداد...... چار سال پہلے نانا ابا کے بعد جو کچھ ہم پر بیتی۔ اور جو کچھ آپ پر بیتی اور دعا...... دعا تو پاگل ہو جائے گی آپ کو دیکھ کر...... اور شان آپ اسے دیکھ کر حیران رہ جائیں گے۔ اتنا لمبا ہو گیا ہے وہ......اور میڈیکل کالج میں ہے...... آپ ڈاکٹر بنانا چاہتے تھے نا اسے۔''

''دعا......! شان......! میرے خدا! میں تیرا کتنا شکر ادا کروں...... مجھے تو بتایا گیا تھا کہ تم سب لوگ ایک حادثے میں......''

''کس نے بتایا تھا؟''

''تمہاری ممانی سے۔''

اور میں ابا کی بات سن کر حیرت زدہ رہ گئی تھی۔

اور کیا دنیا میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو بلا جواز بلا مقصد دوسروں کے راستے کھوٹے کر دیتے ہیں۔ اب بھلا ممانی کو اس سے کیا فائدہ ہوا تھا۔

اور کیا مل گیا تھا انہیں اتنا بڑا جھوٹ بول کر۔

''اور مجھے لگتا تھا جیسے میری دنیا اندھیر ہو گئی ہے...... کچھ بھی نہیں بچا میرا...... نروس بریک ڈاؤن ہو گیا...... میں نے تو معمول کے مطابق فون کیا تھا اور آحؔ سے یہ خبر ملی تھی...... کب کس وقت؟ مجھے تو کچھ پتا ہی نہیں چلا۔ میں اپنے پیاروں کو آخری بار دیکھ

بھی نہیں سکا۔ غم سے میرا دل پھٹنے لگا تھا۔ ایک دو نہیں پورے چھ ماہ تک ہاسپٹل میں رہا۔ ایسے میں فلک ناز نے میرا بہت خیال رکھا' میرے ساتھ مل کر آنسو بہائے۔ تم سب کے لیے ہر آن' ہر لمحہ میرے ساتھ روئی۔ بہت سارے دن تو میں نے اس سے بات بھی نہیں کی۔ یہ وہی تو تھی جس کی وجہ سے میں تم لوگوں سے دور ہوا تھا...... پھر ہولے ہولے زندگی گزرنے لگی۔ لیکن ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا جب میں نے تم لوگوں کو یاد نہ کیا ہو۔''

ابا کے آنسو تھمتے ہی نہ تھے۔ میں نے غور کیا۔ ابا بے حد کمزور ہو گئے تھے اور ان کے بہت سارے بال سفید ہو گئے تھے۔

''میں نے کمپنی والوں سے کہہ کر وہاں ہی مستقل طور پر رہائش اختیار کر لی۔ کیا کرتا واپس آ کر...... میں تو منتظر تھا کہ شاید کسی دن تمہاری اماں مجھے معاف کر دے' میرے اس ناکردہ گناہ کو اور میں آ کر تم سب کو لے جاؤں۔ فلک ناز جب تک پاکستان میں رہی اس نے ہمیشہ تم لوگوں کی واپسی کی دعا کی۔ وہ ہمیشہ تمہارے کمرے میں ہی سوئی۔ وہ میرا ہر طرح خیال رکھتی تھی لیکن ہمیشہ اس بات پر شرمندہ رہی کہ اس کی وجہ سے میں تم سب سے بچھڑ گیا تھا۔ اور اب جب تمہاری ممانی نے بتایا کہ تم سب لوگ میری تو امید ہی ٹوٹ گئی تھی۔ آس ہی ختم ہو گئی تھی۔ اگر فلک ناز نہ ہوتی تو شاید میں بھی نہ بچتا......اور اب اتنے سالوں بعد کمپنی والوں نے وہاں سے اپنا آفس ختم کیا تو مجھے بھی واپس بلا لیا......اور کل رات ہی میں لاہور پہنچا ہوں۔ اور تڑپ اٹھا کہ ایک بار...... ایک بار اپنی آنکھوں سے تمہاری آخری نشانی دیکھ لوں...... تمہاری اماں سے معافی مانگ لوں۔ تم سب سے بہت ساری باتیں کر لوں...... صبح پہلی فلائٹ سے یہاں پہنچا ہوں اور ایک دوست کے پاس مقیم تھا۔ ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ کیسے کس طرح سنوں گا سب کیسے دیکھ

پاؤں گا اپنی آنکھوں سے سب کچھ۔ بڑی مشکل سے دوست کی گاڑی لے کر نکلا تھا۔ اور یہاں بینک کے پاس اس لیے ٹھہر گیا تھا کہ میرے پاس پاکستانی کرنسی نہیں تھی۔ اکاؤنٹ تھا یہاں میرا۔''

ابا کتنی ہی دیر تک دعا کو بھی اپنے ساتھ لپٹائے بیٹھے رہے۔ شان سے ملنے کے لیے وہ بے تاب تھے۔ اور اماں آنکھوں میں عجیب سی دمک لیے بیٹھی تھیں جیسے انہیں اپنے یقین کے نہ ٹوٹنے کا مان ہو..... خوشی ہو جو ستارہ بن کر ان کی آنکھوں میں دمک رہی تھی۔

''ایک بار میں پوچھوں گا تو سہی عباس سے اور زرتاج سے۔''

جب ابا کا دکھ قدرے کم ہوا اور ان کی طبیعت میں ٹھہراؤ آیا تو انہیں غصے نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

شان کو بھی میں نے اسی وقت فون کر کے بتا دیا تھا۔ شان بھی حیران تھا اور غصے میں بھی کہ ممانی نے ایسا کیوں کیا۔

ابا' اماں کے منع کرنے کے باوجود مجھے ساتھ لے کر عباس ماموں کے ہاں جا پہنچے..... میں کتنے سالوں کے بعد یہاں آئی تھی۔ مجھے یوں لگ رہا تھا' جیسے نانا ابا لان میں کھڑے ہوں۔ گلابوں کی کیاریوں کے پاس بیٹھے مسکرا رہے ہوں۔ میری آنکھوں میں نمی تھی۔

میں نانا ابا کے پودوں کو دیکھتی رہی۔ جن میں کئی باقی نہیں رہے تھے' اب۔

ممانی ذرا بھی شرمندہ نہ تھیں۔

''آپ کے لیے تو مر ہی گئے تھے سب۔ دوسری شادی رچا لی تھی آپ نے۔''

''اور میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔'' ابا اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ ''اور مکافات عمل سے ڈریئے گا بھابی؟'' عباس ماموں سر جھکائے بیٹھے رہے' انہوں نے

ایک لفظ تک نہ کہا۔

''اور مجھے تم پر بھی افسوس ہے عباس کہ بہن اور اس کی اولاد کو گھر سے نکال کر بے یار و مددگار کر کے کتنے مطمئن اور خوش بیٹھے ہو..... میں تمہیں اتنا بے حس نہیں سمجھتا تھا۔''

ہمارے گھر میں ابا کے آ جانے سے عجیب طرح کی خوشی اتر آئی تھی..... ہم ساری رات لاؤنج میں بیٹھے ابا سے باتیں کرتے اور جاگتے رہے..... میں اور دعا۔

''کاش گزرے سالوں کی تلافی ہو سکتی۔''

میری جدوجہد کی روداد نے انہیں رلا دیا۔

''اسی لیے تو میں نے تمہیں تمہاری اماں کے ساتھ بھیجا تھا حالانکہ اس کا اسرار تھا کہ میں تمہیں رکھ لوں۔''

اماں نے ابا سے زیادہ باتیں نہیں کی تھیں لیکن انہوں نے ان کی پسند کا کھانا بنایا تھا۔ وہ بہت دنوں بعد کچن میں گئی تھیں۔ ورنہ اب تو دعا ہی کچن میں جاتی تھی۔

ابا نے فون کر کے فلک ناز کو بتا دیا تھا۔ اور وہ دو دن ہمارے ساتھ رہے تھے۔ ان کا جانے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا مگر اماں نے ہی کہا۔

''فلک ناز اکیلی ہو گی وہاں۔''

اور جاتے جاتے ابا نے میرے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''سنو اماں کو منا لو۔ میں جلد ہی پھر آؤں گا لینے تم سب کو..... اور مجھے تمہاری سفارش کی از حد ضرورت ہے۔''

اور یہ جازم..... اچھا لڑکا ہے۔''

وہ مسکرائے تھے اور میری رخساروں پر سرخی دوڑ گئی۔ میں نے فون کر کے جازم کو ابا کے آنے کا بتا دیا تھا اور وہ ڈھیروں مٹھائی کے ساتھ اسی وقت آ گیا تھا۔ بے خوش۔

''اللہ نے ہماری بھی سن لی۔ یقین کرو نایا! ایک ایک لمحہ جو تمہارے بغیر کٹ رہا تھا۔ ایک صدی سے کم نہیں تھا......اور اب کیا خیال ہے۔ اماں سے کہوں دعا کے ساتھ تمہیں بھی نبٹا دیں۔ سچ نایا! ہمارا گھر عورت کے وجود سے خالی ہے مدتوں سے' جب میں چھوٹا سا تھا صرف دو سال کا تب سے۔ اور اب تو کان چوڑیوں کی کھنک' اور ہنسی کے جلترنگ سننا چاہتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ میں اور پاپا آرام سے لاؤنج میں بیٹھے ہوں اور رنگین آنچل ادھر سے ادھر لہراتا پھرے۔ اور پھر کوئی حنائی ہاتھ چائے سے بھرے خوشبودار کپ ہمارے سامنے رکھ دے۔ سچ نایا! اب تو آنکھیں خواب دیکھ دیکھ کر تھک گئی ہیں اور تعبیر مانگتی ہیں۔

ابا نے مجھے جاب کرنے سے صاف منع کر دیا تھا اور جازم نے اس کی از حد حمایت کی تھی۔

''اور کیا پاپا گھر میں اکیلے ہوتے ہیں اور مجھے خود بھی پسند نہیں ہے کہ۔''

میں نے ابا کو دعا کے متعلق بھی بتایا تھا۔ اور ابا انکل انصاری کے از حد ممنون تھے۔

''ارے آپ کو کیا پتا مزمل صاحب میرے لیے کیا تھے۔''

انصاری صاحب کو بھی ابا سے مل کر خوشی ہوئی تھی۔ ابا کا خیال تھا وہ ایک روز تک وہ کراچی جائیں گے شان سے ملنے۔ فون پر اس سے بات کرتے ہوئے ضبط کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا جاتا تھا۔

اور شان سے کتنا پیار تھا انہیں۔

مجھے تو اس کی خفگیاں اور ناراضیاں بھی بہت پیاری تھیں۔

''سنو دعا اور تمہیں دونوں کو اپنے گھر سے ہی رخصت ہونا ہے۔''

ابا نے ایئر پورٹ پر ایک بار پھر مجھے یاد دہانی کرائی تھی۔

''یار جب میں آیا تھا تو کس قدر دلگرفتہ اور شکستہ دل تھا۔ اور اب جا رہا ہوں تو کس قدر مالا مال ہوں۔''

ابا خوشی خوشی چلے گئے تھے اس امید میں کہ جب وہ پھر آئیں گے تو ہم سب ان کے ساتھ ہوں گے۔

لیکن اماں نے انکار کر دیا۔ ''اب کیا جانا۔''

''کیوں اماں! یہ ابا کی خواہش ہے۔''

اماں نے میری کسی دلیل کا کوئی جواب نہیں دیا تھا لیکن وہ جو میرا خیال تھا کہ اماں اب یقیناً اپنا فیصلہ بدل دیں گی جو چھ برس پہلے کیا تھا غلط تھا۔ دو سال تک نانا ابا سمجھاتے رہے تھے لیکن وہ نہ مانی تھیں لیکن ان بیتے چار سالوں میں جتنا انہوں نے ابا کو یاد کیا تھا اور یوں بہانے بہانے ان کی کسی بات کا ذکر کرتی تھیں کہ مجھے بہت خوش گمانی ہو گئی تھی کہ شاید......

شاید اماں کو اپنی خودداری بہت عزیز تھی۔

میں نے ابا کو فون کر کے بتا دیا تھا۔ وہ از حد افسردہ ہوئے۔

''کیا میری سزا کبھی ختم نہیں ہو گی ندا؟''

''کوشش تو کر رہی ہوں ابا شاید۔ شان آئے گا نا پیپرز سے فارغ ہو کر تو میں ایک بار پھر اماں کو منانے کی کوشش کروں گی۔ اماں شان کی بات نہیں ٹالتی ہیں اور اب تو شان اور دعا دونوں اتنے میچورڈ تھے کہ سمجھتے تھے کہ اس سارے معاملے میں ابا کی کوئی غلطی نہیں ہے۔

''میں فلک ناز کو الگ گھر لے دوں گا۔'' دو ہفتے بعد ابا آئے تو انہوں نے اماں سے کہا۔ ''لیکن وہ گھر تمہارا ہے۔ اس گھر کی ایک ایک چیز تمہاری ہے۔ جسے تم چھوڑ کر آئی تھیں' ویسے ہی سب کچھ ہے وہی ترتیب وہی سیٹنگ۔''

مگر اماں نے ابا کو ہمیشہ کی طرح مایوس کر دیا۔

''اماں پلیز۔'' میں نے التجا کی۔ ''ابا نے بہت دکھ سہا ہے ہمارے لیے۔''

میں نے بہت اسرار کیا تو اماں نے وہی برسوں پرانی بات کہی۔

''تم چاہو تو اپنے ابا کے ساتھ چلی جاؤ۔''

میں یک لخت ساکت ہو گئی۔ اماں نے میری چار سالہ ریاضتوں پر لمحوں میں پانی پھیر دیا تھا اور پتا نہیں کیوں اماں کو کبھی میری محبتوں پر یقین نہیں آیا۔ بلکہ انہوں نے ہمیشہ یہی سمجھا کہ میں ابا کو زیادہ چاہتی ہوں۔ بچپن میں بھی وہ یہی کہا کرتی تھیں۔

''ندا اپنے ابا کی بیٹی ہے اور دعا میری۔''

''دونوں تمہاری بیٹیاں ہیں شہر بانو!'' نانا ہنستے۔

''نہیں' یہ صرف اپنے ابا کی بیٹی ہے۔ ہر بات میں ان ہی کی سائیڈ لیتی ہے۔''

''بیٹیاں باپوں کو بہت پیاری ہوتی ہیں۔'' نانا ابا کہتے۔ لیکن آپ کو تو عباس سے زیادہ پیار ہے۔ اماں فوراً کہتیں۔

شاید اماں کے دل میں جو بات ایک بار بیٹھ جاتی تھی۔ وہ کبھی نہیں نکلتی تھی۔ شاید وہ کبھی بھی اپنے دل کو ابا کی طرف سے صاف نہیں کر سکیں گی۔ وہ جو ایک گرہ سی بن گئی تھی ان کے دل میں' وہ شاید کبھی نہیں کھلے گی۔

میں از حد افسردہ تھی۔

جازم نے مجھے تسلی دی۔

''ٹھیک ہو جائے گا سب' گھبراؤ مت۔''

لیکن میں جانتی تھی کچھ بھی ٹھیک نہیں ہوگا۔

منگنی کی تاریخ شان کے امتحان اور ابا کی امید کی وجہ سے آگے بڑھا دی گئی تھی۔ ابا کا اسرار تھا کہ وہ یہ فنکشن لاہور میں ارینج کریں۔ یوں کہ سب وہاں ہوں۔ لیکن یہ ناممکن تھا۔ سو یہ طے پایا تھا کہ ابا دو روز پہلے آ جائیں گے اور اپنی مرضی سے فنکشن کر لیں گے۔ انہیں آصف بھی پسند آیا تھا اور وہ لوگ بھی۔

جازم اور پاپا منگنی کی شاپنگ کے لیے کراچی گئے ہوئے تھے۔

''میں تمہارے لیے بہت خوب صورت انگیجمنٹ رنگ لینا چاہتا ہوں اپنی مرضی سے۔''

جازم نے جاتے جاتے مجھے فون کیا تھا۔

''اور پاپا بھی میرے ساتھ جا رہے ہیں۔ کچھ شاپنگ انہیں بھی کرنا ہے' اپنی بہو

کے لیے اور پھر ایک طویل عرصہ وہ کراچی رہے ہیں۔ بہت سارے دوست احباب ہیں۔ یکا یک ہی ان کا دل چاہنے لگا ہے ان سے ملنے کو دراصل جب ہم باہر سے آئے تو یہاں ہی سیٹل ہو گئے۔ مجھے یہاں جاب ملی' سو دو تین دن لگ جائیں گے۔''

''اور میں بہت اداس تھی پتا نہیں جازم نہیں تھا اس لیے یا اماں کی وہ بات پھر سے دل میں ترازو ہو گئی تھی کہ دعا کے سسرال والوں کے لیے شاپنگ کرتے ہوئے بھی میں از حد چپ تھی۔

''کیا بات ہے ندا؟'' اماں نے پوچھا۔

''یوں ہی سر بھاری ہو رہا ہے۔'' اماں کی آنکھوں میں بے اعتباری تھی۔ جیسے انہیں میری بات کا یقین نہ ہو۔

اگرچہ ابا نے کہا تھا کہ وہ خود ہی سب شاپنگ کر لیں گے لاہور میں اور ان کے کہنے پر میں نے انہیں لسٹ بھی دے دی تھی۔ لیکن پھر بھی کچھ چیزیں تھیں جو اماں کو بعد میں یاد آئی تھیں۔

''مثلاً دعا کی نند کے میاں کا جوڑا اور نند کے لیے انگوٹھی اور آصف کی چچی اور چچا کے لیے جوڑا۔

کوئی اتنی لمبی چوڑی شاپنگ تو تھی نہیں۔ جلد ہی واپس آ گئے اور گھر آتے ہی جازم کا فون آ گیا۔

''کہاں تھیں؟ تین بار فون کر چکا ہوں۔''

''کچھ ضروری شاپنگ کرنا تھی۔''

''کیا ہوا ہے۔ خیریت ہے نا یہ تمہاری آواز ایسے کیوں ہو رہی ہے۔''

وہ کیسے میرے لہجے کے ہر رنگ کو پہچانتا تھا۔

''کچھ نہیں یوں ہی تھکن ہے۔''

''نہیں' تم تھکنے والی شے تو نہیں ہو۔ کچھ اور ہے نا یا! مجھے بتاؤ چھپا رہی ہو مجھ سے۔''

''کچھ بھی نہیں۔'' اب بھلا میں اسے کیا بتاتی۔ بتانے کو کچھ تھا ہی نہیں۔ بس دل پتا نہیں کیوں بجھا بجھا سا تھا۔

''میری قسم کھاؤ۔'' اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

''تمہاری قسم جازم! کچھ بھی تو نہیں ہے۔ شاید اماں کے نہ جانے کے فیصلے نے اداس کر دیا ہے۔''

''تم دیکھنا۔ میں اور شان مل کر اماں کو منا لیں گے۔ فکر نہ کرو۔ چلو اب ہنس دو۔ تمہیں دیکھنے کو بہت جی چاہ رہا ہے۔ میرا خیال تھا یہاں ٹی وی اسٹیشن پر ملاقات ہو جائے گی لیکن پتا چلا کہ محترمہ غائب ہیں۔ سنو تم آدھ گھنٹے میں آ سکتی ہو گھر تو میں بھی بس بیس منٹ میں پہنچتا ہوں گھر۔ پاپا ہوں گے نا گھر میں اگر مجھے کچھ دیر ہو گئی تو ان سے گپ لگانا۔''

''مگر جازم! پاپا کیا سوچیں گے۔''

''کچھ نہیں سوچیں گے۔ پاپا سے میری بہت دوستی ہے۔ مجھے تم سے باتیں کرنا ہیں بہت ساری۔''

اس نے فون رکھ دیا۔ میں دعا کو بتا کر چلی آئی۔

''اپنی شاپنگ دکھانا چاہتے ہوں گے۔'' دعا کا خیال تھا۔

''سچی ندا! اگر مجھے یہ خیال نہ ہوتا کہ جازم بھائی مجھے کباب میں ہڈی سمجھیں گے تو میں بھی چلتی تمہارے ساتھ شاپنگ دیکھنے کو۔'' وہ ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی۔ ''اور اللہ جانے

ان لوگوں نے کیا خریدا ہوگا۔ کہیں فضول ہی سب کچھ نہ خریدتے رہیں۔''

''بے فکر رہو۔'' میں نے اس کا رخسار تھپتھپایا۔ ''آصف بھائی کی پسند بھی زبردست ہے۔ بہت اسٹائلش لباس پہنتے ہیں اور بہت خوبصورت گھر ہے۔'' دعا خوش تھی اور اس کی خوشی دیکھ کر۔

میرا بجھا بجھا سا دل بھی ٹھہر سا گیا۔

جازم گیٹ پر میرا منتظر تھا۔

''دیکھو تم سے پہلے پہنچ گیا ہوں۔''

''جازم!'' یہ اچھی بات نہیں ہے تم بہت رف ڈرائیو کرتے ہو۔''

''جب آپ ساتھ ہوں گی نا تو احتیاط کریں گے جناب۔''

پاپا اپنے کمرے میں تھے شاید۔ وہ مجھے ڈرائینگ روم میں لے آیا۔

''یہاں بیٹھ جاؤ نایا میرے سامنے اور مجھے کچھ دیر دیکھنے دو جی بھر کے۔ اتنے دن تمہیں دیکھا نہیں تو لگتا ہے جیسے صدیاں ہوگئی ہیں۔ خدانخواستہ اگر ہمارے راستے میں ظالم سماج حائل ہو جاتا تو۔ میں تو مر جاتا نایا تمہارے بغیر۔''

''فضول باتیں نہیں کرو جازم۔''

میں نے اسے ٹوک دیا لیکن وہ سچ مچ بہت دیر تک مجھے سامنے بٹھائے یوں دیکھتا رہا جیسے آنکھوں کے راستے دل میں اتار رہا ہو۔

''جازم۔'' اس کے اس طرح مسلسل دیکھنے سے میں پزل ہوگئی۔

''او کے جان جازم۔'' وہ اٹھا اور اس نے مجھے ڈائمنڈ رنگ دکھائی جس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے ڈائمنڈ لگے ہوئے تھے۔

''یہ میں نے تمہارے لیے خریدی ہے۔ اچھی ہے نا۔''

''ہوں!'' میں نے سر ہلا دیا۔

''پاپا نے تو اپنی بہو کے لیے خود خریدی ہے انگوٹھی اور یہ میں نے لی ہے تمہارے لیے۔''

اس نے انگوٹھی میری انگلی میں پہنا دی۔ ''میری محبت کا پہلا تحفہ۔''

''مگر۔'' میں نے کچھ کہنا چاہا۔

''اگر مگر کچھ نہیں نایا! یہ میری طرف سے بے ضابطہ منگنی پر اور باضابطہ منگنی پر جو انگوٹھی تمہیں پہنائی جائے گی' وہ پاپا نے خریدی ہے۔''

اس کی آنکھیں محبتیں لٹا رہی تھیں۔

''اور سنو۔ میں کل پھر جا رہا ہوں لاہور' شاید کچھ دن لگ جائیں۔ پاپا بھی میرے ساتھ جائیں گے۔''

''مگر کیوں؟ لاہور کیوں؟''

''نایا! یہ بہت طویل کہانی ہے۔ سالوں پہلے جب میں دو سال کا تھا تو پاپا نے چھوٹی سی بات پر مشتعل ہو کر میری ماما کو نہ صرف گھر سے نکال دیا تھا بلکہ طلاق بھی دے دی تھی اور پھر ساری زندگی میں نے پاپا کو اپنے اس عمل پر پچھتاتے دیکھا۔ پاپا پہلے بہت غصیلے اور جلد باز ہوا کرتے تھے۔ اس حادثے نے انہیں بدل کر رکھ دیا۔ نرم اور حلیم۔ میں جب بڑا ہوا تو میری خواہش پر انہوں نے ماما کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ نہ مل سکیں۔ ان کی والدہ اور وہ اپنا گھر چھوڑ کر جا چکے تھے۔ اپنی ماں سے جدائی کا دکھ ہمیشہ میرے اندر پلتا رہا۔ پاپا نے اگرچہ مجھے بہت محبتیں دیں اور اپنی طرف سے اس دکھ کی تلافی کرنے کی کوشش کرتے رہے جو ماں سے محرومی نے مجھے تا عمر کے لیے بخش دیا تھا لیکن بھلا ایسے دکھوں کی بھی کبھی تلافی ہوتی ہے۔ اب کے ہم کراچی گئے تو ایک عجیب

انکشاف ہوا۔ حیرت انگیز۔ پاپا اپنے بہت پرانے دوست سے ملنے گئے تو اس نے بتایا کہ چھ سات سال پہلے میری ماما نے ان سے کانٹیکٹ کیا تھا کیونکہ انہیں پاپا کی تلاش تھی اور انہوں نے ایک خط بھی لکھا تھا پاپا کے نام ان کے پرانے دفتر کے پتے پر جہاں سے پاپا کے دوست جو ابھی تک اسی دفتر میں کام کرتے تھے۔ انہوں نے وصول کرلیا تھا اور اتفاق سے پرانے کاغذات سے انہیں وہ خط بھی مل گیا تھا۔ نایا!''

اس کی آواز بھرا گئی۔

''میری ماما نے لکھا تھا کہ انہیں بلڈ کینسر ہو گیا ہے اور شاید وہ زیادہ عرصہ جی نہ سکیں۔ لہٰذا پاپا اپنی بیٹی کو آ کر لے جائیں کہ دنیا میں اس کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے اور کوئی وارث نہیں۔ انہوں نے لکھا تھا کہ فلک ناز علیحدگی کے سات ماہ بعد پیدا ہوئی تھی اور پاپا اس کی پیدائش سے بے خبر تھے ماما نے لکھا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔ مرنے سے پہلے ایک بار۔ نایا پتا نہیں وہ اب ہوں گی بھی یا نہیں۔ سات سال بہت ہوتے ہیں نا۔ اور کیا پتا' وہ زندہ ہوں اور میری ایک بہن بھی ہے۔ پتا نہیں کیسی ہوگی وہ۔ کہاں ہوگی۔ بہت وقت گزر گیا ہے۔ میں نہیں جانتا بہن کی محبت کیسی ہوتی ہے لیکن یقیناً بہت خوبصورت ہوتی ہوگی۔ نایا!''

وہ ایک دم بہت مضطرب اور بے چین ہو گیا۔

''ماما زندہ ہوں گی نا؟ فلک ناز ہمیں مل جائے گی نا؟''

میں ساکت بیٹھی تھی۔ ''فلک ناز۔ بلڈ کینسر' خط' یہ سب۔''

میں نے سر اٹھا کر بہت غور سے اسے دیکھا اور پتا نہیں کیوں مجھے اس میں فلک ناز کی بہت مشابہت لگی ویسی ہی آنکھیں۔ ویسے ہی ہونٹوں کے خم مگر نہیں۔ نام کی مشابہت تو ہو سکتی ہے۔ کیا خبر۔

''ہم کراچی سے ہی چلے جاتے لیکن مجھے ایک بہت ضروری فائل دینا تھی انصاری صاحب کو اور پھر تمہیں بھی ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا۔ دعا کرنا نایا' ماما ہوں اور۔'' اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''تم تو بہت خوش ہوگی نا کہ ساس نند کا جھنجٹ نہیں۔ دیکھ لو خدا نے آسمان سے اچانک ساس نند اتار دی۔''

وہ اپنی افسردگی کا تاثر مٹانے کے لیے ہنسا لیکن میں نہ ہنس سکی۔

''کیا بات ہے نایا۔ کوئی بات ہے ضرور جو تم مجھ سے چھپا رہی ہو۔''

''جازم! تمہاری ماما کا نام کیا تھا؟'' میں اس کی بات سنی ان سنی کر دی۔

''مہناز۔''

میں نے ایک گہری سانس لی۔ شک کی کوئی گنجائش تو نہیں تھی پھر بھی احتیاطاً میں نے پوچھ لیا۔

''اور کیا وہ ایڈریس اپنے گھر کا جو انہوں نے خط میں لکھا ہے' وہ کرشن نگر کا ہے۔''

''کیا تم ماما کو جانتی ہو نایا؟'' اس نے بے حد حیرت سے مجھے دیکھا اور پھر میرے انکشاف پر کچھ دیر تو حیران سا بیٹھا تکتا رہا اور پھر اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ ضبط کھو بیٹھا۔ میں نے کچھ دیر اسے رونے دیا اور پھر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

''جازم!''

''اور میں نے کل سے لے کر آج تک کتنے خواب دیکھ ڈالے تھے نایا۔'' اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے۔

''میرے اختیار میں ہوتا تو میں کل صبح ہی جب پاپا کے دوست نے مجھے بتایا تھا اڑتا ہوا وہاں پہنچ جاتا لیکن تصور ہی تصور میں کتنی بار میں نے خود کو کرشن نگر کے اس گھر

کے دروازے پر دیکھا ہے۔ اور ماما کی آنکھوں میں حیرت اترتے اوران کے گھٹنوں پر
سر رکھ کر سکون سے آنکھیں بند کیے۔ مدتوں سے میں سوچتا تھا کہ اگر کبھی مجھے ماما مل گئیں
تو میں ان کے گھٹنوں پر سر رکھ کر بہت پر سکون نیند سوؤں گا۔ میں انہیں بتاؤں گا کہ پاپا کی
بے تحاشا محبتوں کے باوجود میں راتوں کی تنہائیوں میں انہیں یاد کر کے رویا ہوں۔ ہمیشہ
رات کو بستر پر لیٹتا تو سوچتا کہ میری ماما کیسی ہوں گی اور پھر ان کی تشبیہ تراشتا تراشتا سو
جاتا۔ نایا۔ وہ مل کر کیوں بچھڑ گئیں۔ کاش۔ کاش میں انہیں ایک نظر دیکھ لیتا۔ تم نے تو
انہیں آخری لمحوں میں دیکھا تھا۔ یقیناً ان کی آنکھوں میں مجھے نہ دیکھ سکنے کی حسرت منجمد
ہوگی۔''

''جازم! حوصلہ کرو۔ پلیز مرد ہو تم۔''

''ہاں مرد ہوں نایا! لیکن میرا جی چاہ رہا ہے کہ خوب چیخ چیخ کر روؤں۔ یہ احساس
کتنا اذیت ناک ہے۔ رگوں کو کاٹتا ہوا سا کہ اب میں کبھی انہیں نہ دیکھ سکوں گا۔'' اور
اب کبھی وہ شبیہہ مکمل نہیں ہو سکے گی۔ جسے ہر رات سونے سے پہلے میں اپنے تصور میں
بناتا رہا ہوں۔'' میں جازم کے دکھ کو محسوس کر رہی تھی سو میں نے اسے رونے اور بولنے
دیا۔ کچھ دیر بعد وہ خود ہی سنبھل گیا۔

''نایا......! وہ کیسی ہے فلک ناز۔ میری بہن۔''

''میں نے تمہیں بتایا تو تھا بہت پیاری۔ اور اس کی آنکھیں بالکل تمہارے جیسی
ہیں۔ شاید اسی لیے جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تھا تو تم جانے پہچانے سے لگے
تھے۔''

''اور اگر یہ خط ہمیں بروقت مل جاتا نایا! تو پھر شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا تمہارے ساتھ
جو ہوا۔''

''ہاں لیکن کچھ باتیں جو ہونی ہوتی ہیں۔ وہ ہو کر رہتی ہیں اور انہیں ہونے سے
کوئی نہیں روک سکتا۔''

وہ کرید کرید کر فلک ناز اور مہناز کے متعلق پوچھتا رہا اور پھر میں اسے ابا کا ایڈریس
دے کر گھر چلی آئی۔ دعا کو یہ سب سن کر حیرت ہوئی اور پھر وہ ایک لمحے کو چپ کر گئی۔

''ندا! اماں کو مت بتانا کہ جازم بھائی فلک ناز کے بھائی ہیں۔''

''مگر کیوں دعا؟......اور پھر یہ بات کیسے چھپائی جا سکتی ہے۔''

''ہاں بھلا کیسے چھپائی جا سکتی ہے لیکن ندا! اماں۔ کہیں اماں کی اعتراض نہ ہو
جازم بھائی پر کہ وہ فلک ناز کے بھائی ہیں۔''

''ارے نہیں بھلا اماں کو کیا اعتراض ہوگا۔ جازم یہاں ہے اپنے پاپا کے ساتھ۔ وہ
فلک ناز سے پہلی بار ملے گا۔''

دعا نے بحث نہیں کی تھی لیکن وہ کچھ فکر مند لگ رہی تھی۔

اور ابا بھی دعا کی طرح ہی فکر مند ہو گئے تھے۔ جازم اور اس کے پاپا کے لاہور
پہنچنے کے فوراً بعد ہی انہوں نے مجھے فون کیا تھا۔

''ندا! تمہاری اماں......تمہاری اماں نے تو کچھ نہیں کہا۔''

''نہیں بھلا انہوں نے کیا کہنا ہے۔''

''اچھا مگر وہ جازم۔'' ابا بھی فکر مند لگ رہے تھے۔ ''ندا تم اور جازم میرا مطلب
ہے جازم تمہیں بہت زیادہ پسند کرتا ہے۔ فلک سے مسلسل تمہارا ہی ذکر کرتا رہا۔ اور۔''
میں جھیپ گئی۔ ابا پتا نہیں کیا کہنا چاہتے تھے لیکن انہوں نے بات ادھوری ہی
چھوڑ دی۔

''ٹھیک ہے دو چار روز تک میں آؤں گا۔ تم اور دعا مل کر مہمانوں کی لسٹ بنا لینا۔''

"ہم یہاں کسی کو زیادہ جانتے ہی کب ہیں ابا۔ بس کچھ ٹی وی اسٹیشن کی کولیگ وغیرہ ہیں' انکل انصاری اور......"

"جو بھی ہیں۔" ابا نے فون رکھ دیا تھا۔ میرے گمان میں بھی نہیں تھا کہ اماں جازم کے لیے انکار کر دیں گے۔ شاید ابا اور دعا زیادہ سمجھتے تھے اماں کو اور میں۔

اماں کو جازم کے متعلق دعا نے بتا دیا تھا۔ اس وقت تو اماں خاموش ہو گئی تھیں لیکن بعد میں جب جازم لاہور سے واپس آیا اور ملنے آیا تو اس کے جانے کے بعد اماں نے مسز انصاری سے معذرت کر لی۔ مسز انصاری حیران رہ گئیں۔

"کیوں......کیوں شہر بانو۔ جازم اتنا اچھا ہے اور پھر اکیلا گھر۔" میں تو اماں کا فیصلہ سن کر ساکت ہو گئی تھی اور مجھے لگا جیسے میرے سینے کے اندر میرا دل بکھر رہا ہو۔ وہ کتنا خوش تھا اور کس قدر باتیں کر رہا تھا۔ دیر تلک بیٹھا۔ ٹی وی لاؤنج میں فلک ناز کی باتیں کرتا رہا۔ اور شاہ زیب کی۔

"ارے اتنا کیوٹ سا ہے میرا چھوٹا سا بھانجا۔ میرا تو اسے چھوڑ کر آنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ ابھی صرف دو سال کا ہے لیکن میری اور پاپا کی گود سے اترتا ہی نہ تھا اور فلک وہ تو رو رو کے پاگل ہو رہی تھی۔ کتنے سالوں کی تشنگی ہے۔ پاپا تو اسے ساتھ ہی لانا چاہ رہے تھے لیکن اس نے کہا کہ وہ میری منگنی پر آئے گی اور پھر بہت سارے دن رہے گی ہمارے ساتھ اور یہ کیسی عجیب بات ہے نایا! تمہارا بھائی اور میرا بھانجا۔ یہ ایک اور رشتہ بن گیا۔"

اس نے بے حد اونچا قہقہہ لگایا تھا۔ زندگی سے بھرپور "اور ہم نے تمہارے ابا سے کہہ دیا ہے کہ ہم تو فلک کو ڈھیر سارے دن اپنے پاس رکھیں گے اور پاپا ان کی تو سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کیسے ان سارے بیتے سالوں کی تلافی کریں گے۔ کاش ماما بھی ہوتیں اور

میں ان کے قدموں میں باقی ماندہ زندگی گزار لیتا۔"

وہ مہناز کا ذکر کر کے ذرا سا اداس ہوتا تو پھر اسے شاہ زیب کی کوئی ادا یاد آ جاتی۔ فلک ناز کی کسی بات کا خیال آ جاتا۔

"اور جناب میں نے یہ بھی کہہ دیا ہے کہ اب تو میری بہن ہے۔ میری پیاری سی بہن۔ وہی تیاری کرے گی ہماری شادی کی۔"

وہ ہنستا رہا تھا۔ خوشی اس کے چہرے سے' اس کے پورے وجود سے پھوٹ رہی تھی۔ زندگی میں اتنا خوش میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ دعا کو اس روز اس نے اتنا چھیڑا تھا کہ وہ تنگ آ گئی تھی۔

اور یہ سب تمہاری وجہ سے ہے نایا! تم میری زندگی میں خوشیاں لے کر آئی ہو تم بہت مبارک ہو ہمارے لئے۔ میرے لئے۔ جاتے جاتے اس نے میرے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

"اور خدا کے لیے اب زیادہ نہ تڑپانا۔ یار! انتظار نہیں ہوتا۔ اب......پاپا منگنی کے بعد تمہاری اماں سے بات کریں گے کہ دعا کی ساتھ ہی تمہیں بھی......" اور وہ شوخ نظروں سے مجھے دیکھتا ہوا چلا گیا تھا۔

"نہیں۔ دعا کے ساتھ نہیں۔ اماں دعا کے بعد اکیلی رہ جائیں گی بالکل۔"

میں سوچا تھا اور مجھے کیا خبر تھی کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا نہ دعا کے ساتھ نہ بعد میں۔

''یہ...... یہ سب کیا نایا۔'' اسے پتا چلا تو وہ بھاگا چلا آیا۔ ''یہ...... یہ اماں نے ایسا کیوں کہا اچانک؟'' وہ از حد پریشان تھا۔

''پتا نہیں جازم!'' میں انجان بن گئی۔

''نہیں' ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ کیسے ممکن ہے۔''

اس نے اماں سے اس کی وجہ پوچھی۔ خدا جانے اماں نے کیا کہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا نہیں۔ میں جانتی تھی کہ وجہ کیا ہے۔ وہ سر جھکائے چلا گیا پھر اس کے پاپا آ گئے۔ کتنی ہی دیر تک اماں سے باتیں کرتے اور انہیں قائل کرتے رہے۔ ابا بھی از حد پریشان تھے۔

''مجھے پہلے ہی ڈر تھا ندا! کاش جازم فلک ناز کا بھائی نہ ہوتا۔ وہ اتنا اچھا' اتنا پیارا لڑکا۔''

انہوں نے اماں کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن بے سود۔

''اماں نہیں مانیں گی ابا! آپ ضد چھوڑ دیں اور دعا کی منگنی کر دیں۔''

شان بھی پیپر دے کر آ گیا تھا اور اسے بھی اماں کے فیصلے پر حیرت تھی۔

''اماں! آپ جانتی ہیں کہ اس سارے معاملے میں فلک ناز یا ابا کا کوئی اتنا زیادہ قصور نہیں تھا۔ یہ سب مقدر کے کھیل تھے۔''

وہ بہت سمجھ دار اور بردبار ہو گیا تھا۔

''اور پھر جازم بھائی نے کتنا ساتھ دیا ہے ہمارا ہر قدم پر اور شاید ندا آپی۔'' وہ کچھ کہتے کہتے جھجک گیا تھا۔ ''ندا آپی اور جازم بھائی ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے ہیں۔''

''تو؟'' ماں نے بے حد سپاٹ نظروں سے ذیشان کو دیکھا۔ ''میں نے تو کہا ہے اگر ندا چاہے تو اپنے ابا کے گھر چلی جائے اور وہاں۔''

اماں کے وارڈ روب میں ان کے کپڑے رکھتے رکھتے اماں کی آواز میرے کانوں میں پڑی۔ تو میرے دل کا ایک اور کونا ٹوٹ کر کہیں گر گیا۔ کاش اماں ایسا نہ کہا کرتیں۔ کاش وہ کبھی مجھ پر اپنا حق جتاتیں۔ کاش وہ کہتیں کہ ندا میری بیٹی ہے۔ میں اس کے متعلق جو بھی فیصلہ کروں تو شاید اس جدائی کی دکھن کچھ کم ہو جاتی۔

دعا کی منگنی ہو گئی کہ اسے مزید لیٹ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دعا اس روز بہت روئی اور اس نے بہت بیوقوفوں کی طرح پوچھا تھا۔

''ندا! تمہارا کیا بنے گا؟ کیا تم جازم کے علاوہ کسی اور کے سنگ زندگی گزار لوگی۔''

اور شاید یہ ناممکن تھا۔ جازم اور میں۔

میں اور جازم۔

کیا اس کے علاوہ میں نے کچھ سوچا تھا کبھی؟

اگرچہ اب کوئی معاشی پرابلم تو نہ تھا۔ ابا نے ذیشان کا پرسنل اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا

کراچی میں اوراس میں کافی رقم جمع کرادی تھی تا کہ شان کو جب ضرورت ہوا سے مسئلہ نہ
ہو۔دعا کی شادی شاپنگ کے لیے بھی پانچ لاکھ روپے انہوں نے اماں کو دے دیے تھے
اور کہا تھا کہ اگر مزید ضرورت پڑے جب بھی تو کہیے گا۔ مجھے جاب کی کوئی خاص
ضرورت بھی نہ تھی۔ ایک بار اماں نے دبے لفظوں میں کہا بھی کہ گھر پر رہ کر ان کے
ساتھ دعا کی شادی کی تیاری کرواؤں لیکن میں گھر میں رہ کر کرتی بھی کیا۔وقت کاٹنا کس
قدر مشکل تھا۔سو میں ٹی وی اسٹیشن سے آکر اماں کے ساتھ شاپنگ کے لیے نکل جاتی۔
جازم ٹی۔وی اسٹیشن نہیں آرہا تھا۔شاید بیمار تھا یا پھر میرا دل اسے دیکھنے کو مچل رہا تھا
لیکن میں خود پر جبر کیے ہوئے تھی۔ پورے دو ہفتے بعد وہ ٹی۔وی اسٹیشن آیا اور سیدھا
میرے کمرے میں آیا۔

''نایا۔!نایا! یہ سب صحیح نہیں ہے۔انصاف نہیں ہے۔تم جانتی ہو نا۔میں نے تمہیں
بتایا تھا کہ شاید میں تمہارے بغیر مر جاؤں۔دیکھو پلیز کچھ کرو۔ میں اتنی راتوں سے سو
نہیں سکا ہوں۔اس سارے معاملے میں میرا کیا قصور ہے؟''

شاید کسی کا بھی کوئی قصور نہیں تھا۔

میں سر جھکائے بیٹھی رہی اور آنسوؤں سے میری آنکھیں بھر گئیں۔

''نایا!''اس نے انگلی کی پوروں سے میرے رخساروں پر ڈھلک جانے والے
آنسوؤں کو چنا۔

''میں نے تو ایسا نہیں چاہا تھا نا!میں نے تو سوچا تھا ان آنکھوں میں اب ہمیشہ ہنسی
کے جگنو اتریں گے۔دکھ کے ستارے نہیں۔مت رونا یا۔نہیں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔''

وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

میں اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی۔لیکن آنسوؤں نے میرا حلق بھینچ لیا تھا۔میں

نے انگلی سے انگوٹھی اتارنا چاہی۔

''پلیز نہیں۔''اس نے تڑپ کر اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

''اسے مت اتارو۔کبھی مت اتارنا پلیز۔''

اور پھر اپنے آنسو چھپانے کے لیے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔

میں بے حد اپ سیٹ تھی۔لیکن کوشش کر رہی تھی کہ اماں پر ظاہر نہ ہو۔

''ندا!''اس روز ٹی۔وی اسٹیشن سے آکر میں تکیہ آنکھوں پر رکھے لیٹی تھی کہ دعا
آکر میرے پاس ہی بیٹھ گئی۔

میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ میں نے بغور اسے دیکھا۔کتنی
لاڈلی تھی وہ اور کچھ کچھ ضدی تھی فلک ناز کے آنے پر وہ کتنی غصہ ہوئی تھی اور پھر نانا ابا
کے گھر آکر بے حد چڑچڑی ہوگئی تھی اور جب نانا ابا چلے گئے تو ایک دم سے باشعور اور
سمجھ دار ہوگئی۔اک دم ہی قربانی دینے کا جذبہ اس کے اندر پیدا ہوگیا تھا۔ وہ کم گو اور
سنجیدہ ہوگئی تھی لیکن کتنا خیال رکھنے لگی تھی وہ سب کا۔ میں ٹی۔وی اسٹیشن سے آتی تو اس
کی کوشش ہوتی تھی کہ مجھے کوئی کام نہ کرنا پڑے۔میں لکھ رہی ہوتی تو وہ خاموشی سے
چائے بنا کر میرے پاس رکھ جاتی۔اوراب۔اب وہ اتنی دور چلی جائے گی۔

''دعا!''میں نے اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔''خدا تمہیں بہت ساری ڈھیروں
خوشیاں دے۔اتنی کہ تم ان تلخیوں کو بھول جاؤ جو ان چند سالوں میں تمہارا مقدر بنی ہیں
۔''

وہ بھی رونے لگی۔

''ندا۔۔۔!ندا مجھے تمہاری بہت فکر ہے۔تم۔تم کیا کروگی؟ کیسے جیو گی؟''

''پگلی!''میں نے اس کے آنسو پونچھے۔

"یہ زندگی ہے' اس میں ایسے اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔"

"ندا! تم خود کہو نا اماں سے پتا نہیں اماں اتنی ظالم کیوں ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ انہیں پتا ہے ندا! سب پتا ہے۔ تمہارے دل کی اور جازم بھائی کے دل کی خبر ہے انہیں میں ابا سے بات کرتی ہوں ندا! آخر وہ خود اپنا فیصلہ کیوں نہیں سنا دیتے۔"

"پلیز نہیں دعا تم۔۔۔ ابا سے بات نہ کرنا۔"

میں نے اسے سختی سے منع کیا لیکن اس نے ابا سے بات کر ہی لی۔ اور اگلے روز ہی ابا آ گئے وہ سیدھے ٹی۔ وی اسٹیشن آئے تھے۔

"بیٹا! یہ کیا حالت بنالی ہے تم نے۔"

انہوں نے بے حد تشویش سے مجھے دیکھا۔

"کیا ابا۔ بالکل ٹھیک ہوں۔" میں مسکرائی۔

اپنی طرف سے میں پوری کوشش کرتی تھی کہ میرا ظاہر میرے باطن کی خبر نہ دے ۔لیکن وہ ابا تھے جو میرے اندر تک جھانک لیتے تھے اور جن سے بچپن سے ہی میری بہت دوستی تھی۔

"نہیں تم ٹھیک نہیں ہو۔" انہوں نے بغور مجھے دیکھا اور کہا۔

"ندا بیٹا! ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ تم اپنی اماں کے ساتھ چلی جاؤ لیکن آج میں تمہیں لینے آیا ہوں۔"

"نہیں ابا! اب اماں کو میری زیادہ ضرورت ہے۔ میں اماں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی اور میں ٹھیک ہوں بالکل' آپ میری فکر نہ کریں۔"

میں نے اپنے آنسو چھپانے کے لیے چہرہ جھکا لیا۔

"ندا! ادھر دیکھو میری طرف۔" لیکن میں نے سر نہیں اٹھایا۔

"ہر دکھ' ہر غم ابتدا میں بہت شدید لگتا ہے۔ ابا!"

کچھ دیر بعد میں نے ابا کی طرف دیکھا۔

"لیکن پھر ہولے ہولے دل سنبھل جاتا ہے۔ شروع میں جب ہم نے لاہور چھوڑا تھا تو دل کس طرح تڑپتا تھا۔ دنوں' ہفتوں' مہینوں یہی حال رہا۔ پھر نانا ابا چلے گئے تو یہی کیفیت رہی۔ مگر پھر ہولے ہولے دل ٹھہر گیا۔ اب بھی ٹھہر جائے گا۔ آپ فکر نہ کریں۔" میں جانتی تھی ابا سے کچھ چھپانا فضول ہے۔ جازم نے لفظ لفظ دل کا حال ان سے کہہ دیا تھا اور پھر جانے دعا نے انہیں کیا کیا بتایا تھا۔

ابا خاموشی سے کھڑے ہو گئے۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"شاہ زیب کیسا ہے ابا؟ اسے دیکھنے کو بہت جی چاہتا ہے۔ ایک بار......اور فلک ناز کیسی ہیں۔" نہ جانے کیوں میں آج بھی فلک ناز کا نام لیتی تھی۔

میں دروازے تک ان کے ساتھ آئی تھی۔

"دونوں یہاں ہی ہیں کوئٹہ میں۔ جازم کے پاپا انہیں لے آئے تھے اور اب وہ یہاں......"

انہوں نے بات ادھوری چھوڑی اور خدا حافظ کہہ کر چلے گئے اور ان کے جانے کے بعد واش روم میں جا کر میں بہت روئی اور منہ ہاتھ دھو کر میں کمرے میں آئی تو ٹیبل پر جازم کا پیغام ٹیلی فون کے نیچے پڑا تھا۔

"تایا! آج شام مجھے گھر پر ملو۔ میں جا رہا ہوں ہمیشہ کے لیے۔"

"کہاں؟" میں سارا دن بے کل رہی۔

انصاری صاحب نے بتایا کہ اس نے ایک سال کے لیے چھٹی اپلائی کی تھی جو منظور ہو گئی ہے۔

مجھ سے کوئی کام نہیں ہو پا رہا تھا۔ میں اپنی معاون نسرین شمس الحق کو ساری بات سمجھا کر جلدی اٹھ آئی۔

ابا گھر پر ہی تھے اور ٹی۔وی لاؤنج میں بیٹھے دعا سے باتیں کر رہے تھے۔ اماں کچن میں تھیں۔ میں ابا کو سلام کر کے کچن میں آ گئی۔

''لائیں اماں! میں کر لیتی ہوں۔''

جب سے دعا کی شادی کی تیاری شروع ہوئی تھی۔ اماں حتی الامکان اسے کچن کا کام نہیں کرنے دیتی تھیں۔

''نہیں۔ میں کر لوں گی۔ تم تھکی ہوئی آئی ہو اور پھر تمہیں تیاری بھی کرنا ہے۔''

''کیسی تیاری اماں؟'' میں ان کی بات نہ سمجھ سکی۔

''لاہور جانے کی۔'' وہ میری طرف متوجہ نہیں تھیں۔ ''ندا! تم اپنے ابا کے ساتھ چلی جاؤ لاہور۔''

''اماں!'' میں نے تڑپ کر انہیں دیکھا۔ ''آپ شاید مجھے کبھی نہیں سمجھ سکیں گی اور ...... مجھے کہیں نہیں جانا۔''

میں تیزی سے کچن سے نکلی۔ ابا اور دعا کی طرف دیکھے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی۔ میرا دل جیسے کٹ کٹ کر گر رہا تھا اور آنسو تکیے کو بھگو رہے تھے اور یونہی روتے روتے جانے کب میں سو گئی۔ کتنے سارے دن ہو گئے تھے۔ میں ٹھیک طرح سے سو نہیں پائی تھی۔ چار بجے کے قریب دعا نے آ کر مجھے جگایا۔

''ندا! اب اٹھ جاؤ۔ سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔''

''ارے!'' میں نے کلاک پر نظر ڈالی۔ ''تم لوگوں نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔''

''ابا کہہ رہے تھے' تم اٹھو گی تو ساتھ ہی کھائیں گے۔''

''اچھا تم چلو' میں آتی ہوں۔'' منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو کر میں ڈائننگ روم میں آ گئی۔

''سوری ابا! آنکھ لگ گئی تھی۔ آپ لوگ کھا لیتے۔'' میں نے معذرت کی۔

''کبھی کبھی تو موقع ملتا ہے ساتھ بیٹھ کر کھانے کا' سو اسے مس کیوں کرتے۔''

انہوں نے خوشگوار انداز میں کہا اور مسکرا کر دعا کی طرف دیکھا۔

''کیوں بیٹا؟''

''جی ابا!'' دعا نے اثبات میں سر ہلایا۔

اماں جلد ہی کھانا کھا کر اٹھ گئیں۔ کھانے کے دوران ابا دعا سے اور مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔

''ابا! آپ آج رکیں گے یا چلے جائیں گے۔'' دعا نے برتن سمیٹتے ہوئے پوچھا۔

''آج رکوں گا۔'' انہوں نے میری طرف دیکھا۔

''اور تمہارا کیا پروگرام ہے بیٹا۔ میں نے تمہاری اماں سے بات کر لی ہے۔''

''میں...... میں نے آپ کو بتا دیا تھا ابا۔''

''آج رات پھر سوچ لو۔ زندگی کا سفر بہت طویل ہے۔''

''ابا! مجھے کچھ نہیں سوچنا۔''

''او کے۔'' چائے پی کر ابا آرام کرنے چلے گئے۔ وہ جب آتے تے ذیشان کے کمرے میں ٹھہرا کرتے تھے میں نے دعا کو بتایا کہ مجھے کچھ دیر کے لیے کہیں جانا ہے۔

''کہاں؟''

''جازم نے بلایا تھا۔ وہ جا رہا ہے کہیں۔ شاید جانے سے پہلے ملنا چاہتا ہے۔''

''ندا......!'' دعا نے آہستگی سے کہا۔ ''ابا کی بات مان لو پلیز۔''

''نہیں دعا! یہ ناممکن ہے۔ اپنی خوشی کے لیے میں اماں کو یوں اکیلا نہیں کر سکتی اور نہ ہی انہیں کوئی مزید دکھ دے سکتی ہوں اور اگر میں چلی گئی تو اماں کی بات سچ ہو جائے گی کہ میں صرف ابا سے محبت کرتی ہوں۔''

میں جب جازم کے گھر پہنچی تو سورج منزل افق میں ڈوب رہا تھا اور جازم لان میں بیٹھا تھا۔ بڑھے ہوئے شیو اور سرخ آنکھوں کے ساتھ وہ بہت تھکا تھکا اور نڈھال لگ رہا تھا۔

''جازم! یہ کیا حالت بنالی تم نے۔''

''یہ تو ظاہر ہے نایا! اندر کی حالت اس سے بھی خراب ہے۔

تم کیوں آئی تھیں میری زندگی میں۔ بچھڑ جانا تھا تو ملی کیوں تھیں۔'' اس نے شکوہ کیا۔

میں خاموشی سے اس کے پاس گھاس پر بیٹھ گئی۔ ''کچھ باتیں ہمارے اختیار میں نہیں ہوتیں ہیں' ان کا کرب اپنی جگہ پر۔''

''کیوں نہیں ہوتیں ہمارے اختیار میں نایا! میں نے تو صرف تمہیں چاہا تھا۔ تمہارے پاس آ کر ٹھہرا تھا اور تم۔ تم اتنی ظالم تو نہ تھیں لیکن تم خود ظالم بن گئی ہو۔ تمہارے اختیار میں ہے سب کچھ۔ لیکن تم خود اپنے آپ کو مجھ سے دور کر رہی ہو۔'' وہ اپنے آپ میں نہیں تھا۔

''ایسا نہیں ہے جازم! میرے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ میں اماں کے دل کو دکھ نہیں پہنچا سکتی۔ کیا تم میرے احساسات نہیں جان سکتے۔''

''جانتا ہوں۔ تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔ میری روح میں اتر چکی ہو میرے لہو میں گردش کر رہی ہو۔ لیکن میں کیا کروں نایا! مجھے خود پر اختیار نہیں رہا۔ میں

یہاں رہا تو شاید حواس کھو بیٹھوں۔ اس لیے میں باہر جا رہا ہوں۔ دور اجنبی سرزمینوں کی طرف۔ شاید یہ درد جو میرا گلا بھینچ رہا ہے اور میری روح کو ٹکڑے ٹکڑے کیے دے رہا ہے ماند پڑ جائے اس کی شدت کم ہو جائے۔ نایا! آج میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں بہت دیر تک' آخری بار۔ تم یہاں بیٹھی رہو۔ میں تمہارا عکس اپنی آنکھوں میں اتارلوں۔ اپنے دل پر نقش کر لوں نایا! آج مجھ سے بہت ساری باتیں کرو۔ اچھی اچھی۔ سننے والی۔ میں تمہاری خوبصورت ہنسی کو اپنی سماعتوں میں محفوظ کر لوں۔ تمہاری آواز کو رگ و پے میں اتارلوں اور پھر باقی ماندہ زندگی انہی آوازوں کو سنتے اور محسوس کرتے گزر جائے۔''

اور میں بہت دیر تک وہاں ہی لان میں بیٹھی رہی' یہاں تک اندھیرا گہرا ہو گیا۔

''اب میں چلوں جازم۔''

''ہاں!'' وہ کھڑا ہو گیا۔ اندھیرے میں اس کا دراز قد نمایاں تھا۔

''خدا حافظ جازم! اپنا خیال رکھنا۔ بہت زیادہ۔''

آنسو پلکوں کا بند توڑ کر رخساروں پر بہہ آئے۔

''اور تم بھی۔ تم بھی نایا! اپنا خیال رکھنا بہت زیادہ اور اگر کبھی میری ضرورت پڑی تو آواز دے لینا۔ میں جہاں کہیں بھی ہوا۔ تمہاری ایک آواز پر آ جاؤں گا۔ اور کبھی کبھی پاپا کے پاس آ جانا۔ ان کا حال پوچھنے۔ میں جانتا ہوں' میں انہیں دکھی کر کے جا رہا ہوں لیکن میرے اختیار میں اپنا آپ نہیں ہے۔ اگرچہ مجھے پاپا کی طرف سے یہ اطمینان ہے کہ فلک ہے ان کے پاس۔ وہ ہمیشہ کے لیے آ گئی ہے یہاں تمہارے ابا کا گھر چھوڑ کر۔ شاہ زیب کی پیاری پیاری حرکتیں میرا غم سہارنے میں ان کو مدد دیں گی۔''

''کیا فلک ناز۔ ابا نے تو ذکر تک نہیں کیا کہ وہ۔'' میں نے سوچا۔

''ہاں!'' اس نے گہری سانس لی۔ ''شاید وہ اس طرح ان نقصانات کی تلافی کرنا

چاہتی ہے جو اس کی ذات سے تمہیں، تم سب کو پہنچے۔ ہر بندہ اپنے حساب سے سوچتا ہے۔ فلک ناز اپنے حوالے سے سوچتی ہے۔ تمہاری اماں نے اپنے حوالے سے سوچا۔ اور تم اپنے انداز سے سوچتی ہو۔ اور یہ کوئی نہیں جانتا کہ جو نقصانات ہو جاتے ہیں ان کی تلافی کبھی نہیں ہو سکتی۔ خدا حافظ تایا۔''

اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا اور میں نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ کچھ دیر تک وہ یونہی میرا ہاتھ تھامے کھڑا رہا اور پھر ایک دم ہاتھ چھوڑ کر تیزی سے اندر چلا گیا اور میں تھکے تھکے قدموں سے پاپا اور فلک ناز سے ملے بغیر واپس چلی آئی۔

رات میں بہت بے چین رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے دل کوئی سینے سے نوچے جا رہا ہو۔ سو صبح بستر سے اٹھنے کو جی ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ جب سے اماں کی طبیعت خراب ہوئی تھی۔ میں اماں کے کمرے میں سونے لگی تھی۔ اماں صبح نماز کے لیے اٹھیں تو میرے بیڈ کے پاس آئیں۔ میں آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ کچھ دیر کھڑی رہیں۔ پھر چلی گئیں۔ شاید انہوں نے مجھے جگانے کا ارادہ ملتوی کر دیا تھا۔ میں نے محسوس کیا تھا کہ رات وہ بھی جاگتی رہی تھیں۔ ناشتے کے لیے میں بمشکل اٹھی اور نسرین شمس الحق کو فون کر دیا کہ آج میرا آنا ناممکن ہے۔ لہٰذا وہی دیکھ لے سب۔

دعا نے ناشتہ لگا کر ابا کو بلایا۔ وہ اخبار ہاتھ میں اٹھائے ٹیبل پر آ گئے۔

''ابا!'' انہیں سلام کرنے کے بعد میں نے کہا۔ ''آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ فلک۔''

''ہاں اس کی مرضی۔'' انہوں نے میری بات کاٹ دی۔

اماں نے چونک کر پہلے مجھے اور پھر ابا کو دیکھا اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے سر جھکا کر انڈا

چھلنے لگیں۔

''یوں بھی جازم جا رہا ہے نامعلوم مدت کے لیے۔ شاید واپس آئے، شاید نہ آئے۔ اچھا ہے۔ اس کے یہاں آنے سے اس کے پاپا کو سہارا ہو جائے گا۔''

''اور آپ ابا؟'' دعا نے بے وقوفی سے پوچھا۔ ''آپ کا کیا ہوگا؟''

''کیا ہونا ہے پاگل۔'' افسردہ سی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر آ کر معدوم ہو گئی۔

مجھے ابا پر بے حد ترس آیا اور ایک لمحے کو میں نے سوچا، اس سارے معاملے میں سب سے زیادہ مظلوم کون ہے۔ ابا، اماں، فلک ناز یا ہم سب اور کچھ اندازہ نہ کر سکی کہ کون سب ہی اپنی اپنی جگہ مظلوم تھے۔

''تم آج جاؤ گی نہیں کیا؟'' انہوں نے چائے کی پیالی اپنی طرف کھسکائی۔

''نہیں ابا۔ کچھ طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''اپنا خیال رکھا کرو بیٹا۔''

''جی ابا!''

چائے پی کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میرے کپڑے استری کر دیئے تھے تم نے؟''

''جی ابا!'' دعا نے بتایا۔ ''واش روم میں لٹکا دیئے ہیں۔''

''اچھا!'' وہ باتھ لینے چلے گئے۔ اماں ابھی تک چائے کا کپ سامنے رکھے کچھ سوچ رہی تھیں۔

''اماں! آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔'' میں نے پوچھا۔

''ہاں!''

وہ چونکیں اور ٹھنڈی چائے گھونٹ گھونٹ پینے لگیں۔ میں اٹھ کر برتن سمیٹنے لگی۔ تب

ہی السلام علیکم کی آواز پر چونک کر میں نے مڑ کر دیکھا اور حیران رہ گئی۔
فلک ناز دروازے پر کھڑی تھی۔
''تم۔آپ۔''
میں ایک قدم آگے بڑھی اور پھر اماں کی طرف دیکھ کر رک گئی۔ فلک ناز نے ا
نظر مجھے دیکھا۔ اس کا چہرہ ستا ہوا تھا اور آنکھیں متورم تھیں۔ وہ سیدھی اماں کی طر
چلی آئی۔ اور ان کے قدموں کے پاس زمین پر بیٹھ گئی۔
''میں نے وہ گھر چھوڑ دیا ہے ہمیشہ کے لیے۔ اور میں نے تو کبھی آپ
امانت میں خیانت کا سوچا بھی نہ تھا۔ مگر پلیز اپنے گھر چلیں اور مجھے معاف
دیں۔ میں اتنے سالوں سے بہت اذیت میں ہوں...... اور...... اور میرے جرم ک
سزا میرے بھائی کو نہ دیں۔ ابھی تو میں نے اسے جی بھر کر دیکھا بھی نہیں۔'' او
ابھی تو میں نے اس سے دل کی باتیں بھی نہیں کیں۔ اسے ان اذیتوں کا حال بھی
نہیں بتایا۔ جو ہم ماں بیٹی نے سہیں۔
اور وہ ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے اور شاید کبھی لوٹ کر نہ آئے۔ مجھے جو سزا چاہے دے
دیں لیکن میرے بھائی کو میرے کیے کی سزا نہ دیں۔ پلیز۔ مجھے میرا گناہ معاف کر
دیں۔''

وہ زار و قطار رونے لگی۔ اماں ساکت بیٹھی تھیں یوں جیسے پتھر کی ہو گئی ہوں۔
''آپ دیکھیے گا۔ میں نے آپ کے گھر کو اسی طرح رکھا ہے جیسے آپ چھوڑ کر گئی
تھیں۔ حتیٰ کہ میں تو آپ کے بیڈروم میں بھی نہیں گئی ابھی تک۔ آج تک۔''
اس کی ہچکی بندھ گئی۔

جرمنی سے واپس آنے کے بعد بھی میں نے وہاں ہی ندا کے کمرے میں رہائش
اختیار کی ہے۔ مجھے پتا تھا کہ ایک دن آپ کو لوٹ کر آنا ہے۔''
کچھ دیر بعد اس نے آنسو پونچھے۔
''پلیز...... پلیز آپ میرے بھائی کو اتنی بڑی سزا نہ دیں۔ وہ...... زندہ نہیں رہ
پائے گا۔ اور زندہ تو شاید ندا بھی نہ رہ پائے۔ آپ نے اس کی آنکھوں میں دیکھا ہی
نہیں۔ اس کے دل میں جھانکا ہی نہیں۔''
اس نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔
اماں کے پتھر وجود میں حرکت ہوئی اور انہوں نے یک لخت اس کے جڑے ہوئے
ہاتھ پکڑ لیے۔
''مجھے شرمندہ نہ کرو فلک ناز!'' ان کی آواز لرز رہی تھی۔
''میں نے تمہیں کبھی قصوروار نہیں جانا' کبھی نہیں۔ مجھے تو بے اعتباری کا دکھ مار
گیا۔ مجھے تو بے یقینی نے لخت لخت کر دیا تھا۔ میرا تو مان توڑ دیا گیا تھا۔'' آنسو ان کی
پلکوں پر تھرا رہے تھے۔
ابا جو نہ جانے کب واش روم سے باہر آئے تھے۔ ایک دم آگے بڑھ کر فلک ناز
کے پاس ہی دوزانو بیٹھ گئے۔
''ہاں' میں تمہارا مجرم ہوں ناشہر بانو مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمہارا یقین
توڑا...... میرا یقین بھی تو ٹوٹا تھا۔ مجھے بھی تو یقین تھا کہ تم واحد ہو جو مجھے سمجھتی ہو' جانتی
ہو۔ تم جان لوگی کہ۔ پھر بھی میں تم سے معافی مانگتا ہوں۔ معاف کر دو تم...... ندا کے
لیے۔ اس کی خوشیوں کے لیے۔''

اماں نے فلک ناز کے ہاتھ چھوڑ دیئے تھے اور ان کے آنسو اس کے جڑے ہوئے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

''تم گھر چلو شہر بانو! اور ندا کی خوشی اسے لوٹا دو اور مجھے بھی یہ خوشی دے دو کہ تم نے مجھے معاف کر دیا ہے۔''

اماں نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو پونچھے اور مڑ کر مجھے دیکھا۔

''تم یہاں کھڑی ہو۔ جازم کو فون کر دو کہ اسے باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور فلک ناز تم۔''

وہ فلک ناز کی طرف دیکھنے لگیں جس کے رکے ہوئے آنسو پھر اسی روانی سے بہنے لگے تھے۔

''شکریہ۔ بہت شکریہ۔ میں عمر بھر آپ کا یہ احسان نہیں بھولوں گی اور میں کبھی مڑ کر نہیں دیکھوں گی۔ آواز نہیں دوں گی' حتیٰ کہ شاہ زیب کو بھی نہیں بتاؤں گی کہ وہ کون ہے۔ کس کا بیٹا ہے۔ آپ اعتبار کریں میرا' میری وجہ سے آپ نے بہت دکھ اٹھایا ہے۔''

''اور یہ تم ہمارے بیٹے کو کہاں چھوڑ آئی ہو۔ جازم بتا رہا تھا' بہت پیارا ہے اور اگر ہمارا ایک اور بیٹا ہوتا تو۔'' انہوں نے پلکیں اٹھا کر حیران بیٹھے ابا کو دیکھا۔

''ہم نے یہی نام سوچ رکھا تھا نا۔ شاہ زیب۔''

پھر وہ میری طرف مڑیں۔

''اور سنو ندا! دعا کے سسرال بھی فون کر دینا کہ دعا کی شادی کا فنکشن اپنے گھر میں ہوگا۔ لاہور میں۔''

میں تیزی سے باہر کی طرف لپکی تا کہ جازم کو فون کر دوں۔ میرے آنسو میرے

رخساروں پر پھیل رہے تھے۔ فلک ناز ایک دم اٹھ کر اماں سے لپٹ گئی۔ اماں نے اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ دروازے کے پاس رک کر میں نے دیکھا۔ اماں کے آنسو فلک ناز کے بالوں پر گر رہے تھے اور فلک ناز کے آنسو اماں کی قمیض میں جذب ہو رہے تھے اور اماں ملکہ کی سی شان سے اسے اپنے ساتھ لپٹائے کھڑی تھیں۔

اختتام